جلد ۸
نومبر ۱۹۶۷ء
شمارہ ۱۱

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان و بھارت چھ روپے
دیگر ممالک تیرہ شلنگ

فی پرچہ ساٹھ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

نومبر سنہ ۱۹۶۷ء

نبوت ۱۳۴۶ھ ش

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ :- چھ روپے ☼ فی پرچہ :- ساٹھ پیسے!

فہرست مضامین

(ناشر۔ چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقام اشاعت :۔ دفتر ماہنامہ انصار اللہ دارالصدر جنوبی ربوہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جلد	ماہنامہ انصار اللہ ربوہ	شمارہ ۱۱

نومبر ۱۹۶۷ء

اراکینِ مجلس انصار اللہ کی دُہری ذمّہ داری

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا جماعت احمدیہ پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ حضور رضی اللہ عنہ نے جماعت کے مرد ممبروں کو زندگی کے تین اہم ادوار کی تخصیص کے ساتھ انہیں تین مختلف ذیلی تنظیموں سے منسلک کر دیا۔ بچے جو سات سال سے پندرہ سال کی عمر تک کے ہیں اطفال الاحمدیہ کہلاتے ہیں۔ جوان جو پندرہ سال سے چالیس سال تک کی عمر کے ہیں خدام الاحمدیہ اور چالیس سال سے اُوپر کے تمام احمدی افراد انصار اللہ کہلائے۔ کام اور کام کرنے کے احساس کے ادوار کو جس قدر مختصر کر دیا جائے جائزہ لینے کا اتنا ہی زیادہ موقع ملتا ہے اور ایک دَور کے ختم ہونے کے بعد دوسرے دَور میں داخل ہوتے ہی انسان اپنی مزید اصلاح اور فلاح کے سامان مہیا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر زندگی کو ایک ہی لمبا دَور سمجھ لیا جائے تو عین ممکن ہے کہ شروع سے لیکر اخیر تک زندگی ایک ہی ڈھرے پر چلتی چلی جائے اور نہ کسی جائزے کا موقعہ ملے اور نہ کسی نیک تبدیلی کا۔

اس کے علاوہ ان ذیلی تنظیموں کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اپنے گروہ سے ہم عمری کا احساس نیکیوں کو دیکھ کر نیکی کی طرف اُبھارتا ہے اور دلوں کو اس یقین اور اعتماد سے بھر دیتا ہے کہ ہم سب مل جل کر اپنی زندگیوں کو بہتر سے بہتر بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اور گزشتہ تیس چالیس سال کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ ان تنظیموں نے اپنے اپنے گروہ کے افراد پر نہایت نیک اثر ڈالا ہے۔ بہت سے بچوں نے دوسرے اچھے بچوں کی تقلید کر کے اپنی زندگیاں سنواری ہیں۔ بہت سے نوجوانوں نے دوسرے نیک نوجوانوں کے ساتھ مل کر ان کی ہمراہی میں سلوک کی ایسی منازل طے کر لی ہیں کہ اکیلے ان منازل کا طے کرنا ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا۔ اسی طرح بہت سے معمر دوست ایسے ہیں جنہوں نے زندگی کا اکثر حصہ بے خبری میں گزارنے کے بعد جب انصار اللہ میں اپنے ساتھیوں کو روحانیت کے بلند و بالا مقامات سے ہمکنار ہوتے دیکھا تو ان کی اپنی زندگیاں بھی بدل گئیں۔

زندگی کے یہ تینوں دَور اپنی اپنی جگہ ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں لیکن اس کے باوجود یہ کہنا نادرست نہ ہوگا کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد جو دَور شروع ہوتا ہے وہ سب سے اہم ہے نہ صرف اپنے لئے اور اپنے گروہ کے ساتھیوں کے لئے بلکہ دوسروں کے لئے اور دوسرے گروہوں کیلئے بھی۔ مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے گزشتہ سالانہ اجتماع کا افتتاح کرتے ہوئے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے انصار اللہ کے اراکین کی توجہ اس بات کی طرف مبذول فرمائی کہ اگرچہ جماعت کا ہر فرد ایک رنگ میں انصار اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنیوالا ہے یا مدد کرنے والا ہونا چاہیئے لیکن حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے چالیس سال سے اُوپر کی عمر والوں کو اس بات کا خاص طور پر احساس دلانے کے لئے کہ دین کی نصرت ان کے خاص طور پر فرائض میں داخل ہے انصار اللہ کے نام سے مخصوص کر دیا اور مختلف موقعوں پر اور مختلف رنگوں میں حضور رضی اللہ عنہ نے انصار اللہ کے مقام کو واضح فرمایا تاکہ اس وضاحت کی روشنی میں جملہ انصار اپنی زندگی کو خدمتِ دین کے لئے ڈھال سکیں۔

جیسا کہ ظاہر ہے انصار اللہ کا نام حاصل کر لینا تو اس بات کی قطعی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ہم واقعی خدمتِ دین بھی کرتے ہیں اس لئے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو دو علامتیں "انصار اللہ" کی بیان فرمائی ہیں ان کو سامنے رکھ کر ہمیں چاہیئے کہ ہم غور کریں کہ ہم حقیقی طور پر انصار اللہ بن گئے ہیں یا نہیں۔ وہ دو علامتیں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہیں۔
يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ یعنی اگر

تم حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کے انصار بن جاؤ گے تو اس کے نتیجہ میں دو باتیں ظہور میں آئیں گی۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے مدد کے لئے اُترے گا اور اُترتا رہے گا اور دوسری بات یہ کہ تمہارے ثباتِ قدم میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہوگی۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی مدد کا سوال ہے حضور نے فرمایا کہ اس کے متعدد طریقے ہیں۔ بعض اوقات ہم دُکھوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور گرتے ہیں اور گڑگڑا کر دُعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہم عاجزوں کی دُعا کو سُنتا ہے اور ہم دُکھوں سے نجات پا جاتے ہیں۔

حضور نے فرمایا کہ اگر ہم اپنی زندگیوں کو ٹٹولیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح ہم پر ظاہر ہو جائیگی کہ ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرماتا ہے، ہماری دعاؤں کو سُنتا ہے اور ہماری عاجزانہ تضرعات کو درجہ قبولیت بخشتے ہوئے ہمارے ہموم و غموم سے ہمیں نجات دیتا ہے۔ یہ اِس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس عہد کو کہ ہم دین کی نصرت کریں گے قبول فرمالیا اور اس کے نتیجہ میں بھی ہماری نصرت فرماتا ہے۔

جہاں تک ثباتِ قدم کا تعلق ہے اپنے تو اپنے غیر بھی ہماری اِس بات کے قائل ہیں کہ ہے تو چھوٹی سی جماعت لیکن تمام ادیانِ باطلہ سے ٹکر لے رہی ہے اور اس ٹکر کے نتیجہ میں اسلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور دیگر مذاہب سمٹ رہے ہیں اور اپنے عقائد اور اعمال میں ایسی تبدیلیاں کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں جو درحقیقت ان کے مروجہ مذہب سے انہیں کوسوں دُور لے جا رہی ہیں۔ عیسائیت کو ہی لے لیجئے۔ یورپ عیسائیت کا گڑھ تھا وہیں سے ساری دنیا میں عیسائیت کا جال پھیلایا جا رہا تھا۔ لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور نے اپنے حالیہ دَورے کے دَوران یورپ میں عیسائیت نہیں بلکہ عیسائیت کا بے جان لاشہ دیکھا ہے۔ حضرت مسیح ناصریؑ کی وہ محبت جو اُن کے دلوں میں جاگزیں تھی اور جسے وہ غلو کی حد تک لے جا چکے تھے اب ختم ہو گئی ہے۔ عیسائیت کے عقائد کو ایک دھچکا لگا ہے کہ اب اس کے پیروکاروں کے کہیں پاؤں ٹکنے ہی میں نہیں آتے۔ تثلیث، کفارہ، صعود الی السماء وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو پُرانی یادوں کو تازہ تو کر سکتی ہیں لیکن عقیدے کے طور پر ان کو اپنانا مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اسلام اور احمدیت کی یہ بیّن فتح اِس بات کی دلیل ہے کہ جماعت احمدیہ کے انصار اللہ واقعی انصار اللہ ہیں وہ خدا تعالیٰ کے دین کی مدد کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے اور ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتا۔

ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے حضور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ انصار اللہ کے اراکین کی صرف یہی ذمہ داری نہیں کہ وہ اپنے سے متعلق کام کو احسن طریق پر کرتے چلے جائیں بلکہ ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مستقبل کو روشن سے روشن تر کرنے کے لئے بچوں کی بھی نگرانی کریں اور نوجوانوں کو بھی صحیح راستوں سے ہٹنے نہ دیں۔ اطفال الاحمدیہ کا کام اور اُن کی ذمہ داریاں صرف اطفال الاحمدیہ ہی سے تعلق رکھتی ہیں، خدام الاحمدیہ کی ذمہ داریاں صرف خدام ہی سے متعلق ہیں لیکن انصار اللہ کی ذمہ داری نہ صرف انصار اللہ سے تعلق رکھتی ہے بلکہ اطفال اور خدام کا خیال رکھنا بھی ان کا فرض ہے۔ یُوں بھی اطفال اور خدام یا تو انصار اللہ کے بیٹے ہیں یا چھوٹے بھائی یا کوئی اُور رشتہ جس میں وہ بہرحال انصار سے چھوٹے ہیں۔ اِس زاویئے سے بھی دیکھا جائے تو انصار اللہ کے اراکین کے ذمہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کی ہمیشہ ایسی تربیت کریں جس سے وہ اپنے وقت پر احمدیت کے مضبوط ستون ثابت ہوں۔

پس جملہ اراکین انصار اللہ کا فرض ہے کہ وہ اِس بات کو مدّنظر رکھیں کہ ان کے فرائض دوسروں کی نسبت زیادہ وسیع ہیں اور ان کے ہر قول و فعل اور حسنِ کارکردگی پر مستقبل کا بہت سا انحصار ہے ✤

رحمانیّت و رحیمیّت کا مظہر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

” رحمانیت کا مظہر تام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ محمدؐ کے معنے ہیں بہت تعریف کیا گیا اور رحمان کے معنی ہیں بلا مُزد و بن مانگے بلا تفریق مومن و کافر کو دینے والا۔ اور یہ صاف بات ہے کہ جو بِن مانگے دیگا اسکی تعریف ضرور کی جائیگی پس محمدؐ میں رحمانیّت کی تجلّی تھی اور اسمِ احمد میں رحیمیّت کا ظہور تھا کیونکہ رحیم کے معنی ہیں محنتوں اور کوششوں کو ضائع نہ کرنے والا اور احمد کے معنے ہیں تعریف کرنے والا ... پس اللہ محمدؐ (رحمٰن) احمد (رحیم) ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم الشان صفات رحمانیت و رحیمیت کے مظہر تھے۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۱۳۶)

(ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

نفسِ مطمئنّہ کے بغیر انسان نجات نہیں پا سکتا

"میں نے بعض آدمیوں کو دیکھا اور اکثروں کے حالات پڑھے ہیں جو دنیا میں مال و دولت اور دنیا کی جھوٹی لذّتیں اور ہر ایک قسم کی نعمتیں اولاد اعفاد رکھتے تھے جب مرنے لگے اور اُن کو اِس دنیا کے چھوڑ جانے اور ساتھ ہی ان اشیاء سے الگ ہونے اور دوسرے عالم میں جانے کا علم ہوا تو اُن پر حسرتوں اور بے جا آرزوؤں کی آگ بھڑکی اور سرد آہیں مارنے لگے۔ پس یہ بھی ایک قسم کا جہنّم ہے جو انسان کے دل کو راحت اور قرار نہیں دے سکتا بلکہ اس کو گھبراہٹ اور بیقراری کے عالم میں ڈال دیتا ہے۔ اِس لئے یہ امر بھی میرے دوستوں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہنا چاہیئے کہ اکثر اوقات انسان اہل و عیال اور اموال کی محبت، ہاں ناجائز اور بے جا محبت میں ایسا محو ہو جاتا ہے اور اکثر اوقات اسی محبت کے جوش اور نشہ میں ایسے ناجائز کام کر گزرتا ہے جو اُس میں اور خدا تعالیٰ میں ایک حجاب پیدا کر دیتے ہیں اور اس کے لئے ایک دوزخ تیار کر دیتے ہیں اس کو اس بات کا علم نہیں ہوتا جب وہ اُن سب سے یکایک علیحدہ کیا جاتا ہے۔ اس گھڑی کی اُسے خبر نہیں ہوتی۔ تب وہ ایک سخت بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ کسی چیز سے جب محبت ہو تو اُس سے جدائی اور علیحدگی پر ایک رنج اور دردناک غم پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اب منقولی ہی نہیں بلکہ معقولی رنگ رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ ۝

پس یہ وہی غیر اللہ کی محبت کی آگ ہے جو انسانی دل کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور ایک حیرتناک عذاب اور درد میں مبتلا کر دیتی ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ بالکل سچّی اور یقینی بات ہے کہ نفسِ مطمئنّہ کے بدوں انسان نجات نہیں پا سکتا۔

یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ کے باطنی معنی

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ نفسِ امّارہ کی حالت میں انسان شیطان کا غلام ہوتا ہے ورلوامہ

میں اُسے شیطان سے ایک مجاہدہ اور جنگ کرنا ہوتا ہے کبھی وہ غالب آجاتا ہے اور کبھی شیطان۔ مگر مطمئنہ کی حالت ایک امن اور آرام کی حالت ہوتی ہے کہ وہ آرام سے بیٹھ جاتا ہے۔ اِس لئے اِس آیت میں کہ یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِس آخری حالت میں کس قدر استراحت ہوتی ہے۔ چنانچہ اِس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نفسِ مطمئنّہ اللہ کی طرف چلا آ۔ ظاہر کے لحاظ سے تو یہ مطلب ہے کہ جاں کندن کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی ہے کہ اے مطمئن نفس اپنے رب کی طرف چلا آ۔ وہ تجھ سے خوش اور تُو اُس سے راضی۔ چونکہ قرآن کے لئے ظاہر اور بطن دونوں ہے اس لئے بطن کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ اے اطمینان پر پہنچے ہوئے نفس اپنے رب کی طرف چلا آ۔ یعنی تیری طبعاً یہ حالت ہو چکی ہے کہ تُو اطمینان اور سکینت کے مرتبہ پر پہنچ گیا ہے اور تجھ میں اور اللہ تعالیٰ میں کوئی بُعد نہیں ہے۔ لوّامہ کی حالت میں تو تکلیف ہوتی ہے مگر مطمئنّہ کی حالت میں ایسا ہوتا ہے کہ جیسے پانی اُوپر سے گرتا ہے۔ اِسی طرح یہ خدا تعالیٰ کی محبت انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے اور وہ خدا ہی کی محبت سے جیتا ہے۔ غیر اللہ کی محبت جو اس کے لئے ایک جلانے اور جہنّم کے پیدا کرنے والی ہوتی ہے جل جاتی ہے اور اس کی جگہ ایک روشنی اور نُور بھر دیا جاتا ہے۔ اس کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس کا منشاء ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت ایسی حالت میں اس کے لئے بطور جان ہوتی ہے۔ جس طرح زندگی کے لئے لوازم زندگی ضروری ہیں اس کی زندگی کے لئے خدا اور صرف خدا ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ ہی اس کی سچی خوشی اور پوری راحت ہوتی ہے۔

انسانی ہستی کا مدّعا

نفسِ مطمئنّہ کی یہ نشانی ہے کہ کسی خارجی تحریک کے بدُوں ہی وہ ایسی صورت پکڑ جاتا ہے کہ خدا کے بدُوں رہ نہیں سکتا۔ اور یہی انسانی ہستی کا مدّعا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ فارغ انسان شکار، شطرنج، گنجفہ وغیرہ اشغال اپنے لئے پیدا کر لیتے ہیں مگر مطمئنّہ جبکہ ناجائز اور عارضی اور لہو اوقات رنج اور کرب پیدا کرنے والے اشغال سے الگ ہو گیا۔ اب الگ ہو کر منقطع عالم اُسے کیوں یاد آوے اِس لئے خدا ہی سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہ امر کبھی دل سے محو نہیں ہونا چاہیئے کہ محبت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک ذاتی محبت ہوتی ہے اور ایک محبت اغراض سے وابستہ ہوتی ہے۔ یا یہ کہو کہ اس کا باعث صرف چند عارضی باتیں ہوتی ہیں جن کے دور ہوتے ہی وہ محبت سرد

ہو کر رنج اور غم کا باعث ہو جاتی ہے مگر ذاتی محبت سچی راحت پیدا کرتی ہے۔ چونکہ انسان فطرتاً خدا ہی کے لئے پیدا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا۔
مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کی فطرت ہی میں اپنے لئے کچھ نہ کچھ رکھا ہوا ہے اور اپنے پوشیدہ اور مخفی در مخفی اسباب سے اُسے اپنے لئے بنایا ہوا ہے۔ پس جب انسان جھوٹی اور نمائشی حال عارضی اور رنج پر ختم ہونے والی محبتوں سے الگ ہو جاتا ہے، پھر وہ خدا ہی کے لئے ہو جاتا ہے اور طبعاً کوئی بُعد نہیں رہتا اور خدا کی طرف دوڑا چلا آتا ہے۔ پس اس آیت يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا آواز دینا یہی ہے کہ درمیانی حجاب اُٹھ گیا اور بُعد نہیں رہا۔ یہ متقی کا انتہائی درجہ ہوتا ہے جب وہ اطمینان اور راحت پاتا ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن شریف نے اس اطمینان کا نام فلاح اور استقامت رکھا ہے اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں اسی استقامت یا اطمینان یا فلاح کی طرف لطیف اشارہ ہے اور خود مستقیم کا لفظ بتلا رہا ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۱۱-۱۱۴)

ہر فعل کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"لوگوں نے نوافل صرف نماز ہی کے نوافل سمجھے ہوئے ہیں۔ نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ ہر فعل کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۱۹۹)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَقَلْبِیْ مِنَ التَّوْحِیْدِ بَیْتُ مُعَطَّرُ

(اور میرا دل معطّر گھر کی طرح ہے)

تَضَوَّعَ اِیْمَانِیْ کَمِسْكٍ خَالِصٍ   وَقَلْبِیْ مِنَ التَّوْحِیْدِ بَیْتٌ مُعَطَّرُ

میرا ایمان خالص مُشک کی طرح خوشبو پھیلا رہا ہے اور میرا دل معطّر گھر کی طرح ہے۔

وَفِیْ کُلِّ اٰنٍ یَّاْتِیَنْ مِنْ خَالِقِیْ   غِذَائِیْ نَمِیْرُ الْمَآءِ لَا یَتَغَیَّرُ

اور ہر وقت میرے خالق کی طرف سے میرے پاس آتی ہے میری غذا جو خالص مصفیٰ پانی ہے جو متغیر نہیں ہوتا۔

تُضِیْءُ الظَّلَامَ مَعَارِفِیْ عِنْدَ مَنْطِقِیْ   وَقَوْلِیْ بِفَضْلِ اللّٰہِ دُرٌّ مُنَوَّرُ

میرے کلام کے علوم و معارف اندھیروں کو روشنی سے بدل دیتے ہیں اور میرا ہر لفظ فضل الٰہی سے منوّر موتی ہے

اِلٰی مَنْطِقِیْ یَرْنُوا الْفَهِیْمُ تَعَشُّقًا   وَیُزْعِجُ نُطْقِیْ کُلَّ وَهْمٍ وَیَحْذَرُ

میرے کلام کی طرف ہر فہیم آدمی عاشقانہ رنگ میں دیکھتا ہے اور میرا کلام وہم کو بیخ و بُن سے ہلا دیتا اور کاٹ دیتا ہے۔

سَنَا بَرْقِ اِلْهَامِیْ یُنِیْرُ لَیَالِیًا   وَکَشْفِیْ کَصُبْحٍ لَیْسَ فِیْهِ تَکَدُّرُ

میرے الہام کی روشنی راتوں کو روشن کرتی ہے اور میرا کشف روشن صاف صبح کی طرح ہے جس میں کوئی کدورت نہیں۔

وَاِنَّ کَلَامِیْ مِثْلُ سَیْفٍ قَاطِعٍ   وَاِنَّ بَیَانِیْ فِی الصُّخُوْرِ یُؤَثِّرُ

اور یقیناً میرا کلام کاٹنے والی تلوار کی طرح ہے۔ اور بے شک میرا بیان پتھروں پر اثر کرنے والا ہے

وَاَدْعِیَتِیْ عِنْدَ الْوَغَا تَقْتُلُ الْعِدَا   فَطُوْبٰی لِقَلْبٍ یَتَّقِیْهَا وَیَحْذَرُ

اور میری دعائیں لڑائی کے وقت دشمن کو قتل کرتی ہیں۔ پس مبارک ہو اُس دل کو جو اُن سے ڈرے اور بچے۔

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

من فدائے روئے تو اے دلستانِ گلعذار

(مَیں تو تیرا فدائی ہوں اے پھول سے رخساروں والے محبوب)

ہر کسے دارد سرے با دلبرے اندر جہاں
من فدائے روئے تو اے دلستانِ گلعذار

ہر شخص دنیا میں کوئی نہ کوئی محبوب رکھتا ہے۔ مگر مَیں تو تیرا فدائی ہوں اے پھول سے رخساروں والے محبوب۔

از ہمہ عالم دل اندر روئے خوبت بستہ ام
بر وجودِ خویشتن کردم وجودت اختیار

سارا جہان چھوڑ کر مَیں نے تیرے حسین چہرہ سے دل لگایا ہے اور اپنے وجود پر تیرے وجود کو ترجیح دی ہے۔

زندگانی چیست جاں کردن براہِ تو فدا
رستگاری چیست در بندِ تو بودن صید وار

زندگی کیا ہے؟ یہی کہ تیری راہ میں جان کو قربان کر دینا۔ آزادی کیا ہے؟ یہی کہ تیری قید میں شکار بن کر رہنا۔

تا وجودم ہست خواہد بود عشقت در دلم
تا دلم دوران خون دارد بہ تو دارد مدار

جب تک میرا وجود باقی ہے تیرا عشق میرے دل میں رہے گا۔ جب تک میرے دل میں خون دَورہ کرتا ہے تب تک اس کا دارومدار تجھ پر ہے

یا رسول اللہ برویت عہد دارم استوار
عشقِ تو دارم ازاں روزیکہ بودم شیرخوار

یا رسول اللہ مَیں تجھ سے مضبوط تعلق رکھتا ہوں اور اس دن سے کہ مَیں شیرخوار تھا مجھے تجھ سے محبت ہے۔

ہر قدم کاندر جنابِ حضرتِ بیچوں زدم
دیدمت پنہاں معین و حامی و نصرت شعار

جو قدم بھی مَیں نے خدائے بے ہمتا کی راہ میں مارا۔ مَیں نے پوشیدہ طور پر ہر جگہ تجھے اپنا معین، حامی اور مددگار دیکھا۔

در دو عالم نسبتے دارم بتو از بس بزرگ
پرورش دادی مرا خود ہمچو طفلے در کنار

دونوں جہانوں میں مَیں تجھ سے بے انتہا تعلق رکھتا ہوں۔ تُو نے خود بچے کی طرح اپنی گود میں میری پرورش کی ہے۔

امن کا پیغام اور ایک حرفِ انتباہ

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ کا ایک اہم خطاب

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جولائی ۱۹۶۷ء میں بلادِ یورپ کا تبلیغی سفر فرمایا۔ اس دوران آپ نے مسجد نصرت جہاں ڈنمارک کا افتتاح فرمایا۔ احمدی تبلیغی مشنوں کا معائنہ بھی فرمایا۔ ہر جگہ اسلام کا پیغامِ امن پہنچایا۔ لنڈن کے وانڈز ورتھ ہال میں آپ نے انگریزی زبان میں اہلِ یورپ اور دیگر اقوام کو جو واضح انتباہ فرمایا وہ درج ذیل ہے۔ (ایڈیٹر)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"احمدیہ جماعت کے امام کی حیثیت میں مجھے ایک روحانی مقام پر فائز ہونے کی عزت حاصل ہے۔ اس حیثیت میں مجھ پر بعض ایسی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کو میں آخری سانس تک نظر انداز نہیں کر سکتا میری ان ذمہ داریوں کا دائرہ تمام بنی نوع انسان تک وسیع ہے، اور اس عقدِ اخوت کے اعتبار سے مجھے ہر انسان سے پیار ہے۔

احبابِ کرام! انسانیت اس وقت ایک خطرناک تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ اس سلسلہ میں میں آپ کے لئے اور اپنے تمام بھائیوں کے لئے ایک اہم پیغام لایا ہوں۔ موقعہ کی مناسبت کے پیشِ نظر میں اسے مختصراً بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

میرا یہ پیغام امن، صلح اور انسانیت کے لئے اُمید کا پیغام ہے۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ پورے غور کے ساتھ میری ان مختصر باتوں کو سُنیں گے اور پھر ایک غیر متعصب دل اور روشن دماغ کے ساتھ ان پر غور کریں گے۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ۱۸۳۵ء انسانی تاریخ میں ایک نہایت ہی اہم سال تھا کیونکہ اس سال شمالی ہند کے ایک غیر معروف اور گمنام گاؤں قادیان کے ایک ایسے گھرانہ میں جو ایک وقت تک اس

علاقہ کا شاہی گھرانہ رہنے کے باوجود شاہزادگی کی سب شان وشوکت کھو بیٹھا تھا ایک ایسے بچّے کی پیدائش ہوئی جس کے لئے مقدّر تھا کہ وہ نہ صرف روحانی دنیا میں بلکہ مادی دنیا میں بھی ایک انقلاب عظیم پیدا کرے۔ اس بچّے کا نام اس کے والدین نے مرزا غلام احمد رکھا اور بعد میں وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نام سے مسیح اور مہدی کے خدائی القاب سے مشہور ہوا۔ علیہ السلام۔

مگر قبل اس کے کہ میں اس روحانی اور مادی انقلابِ عظیم پر روشنی ڈالوں میں آپ کی سوانح حیات نہایت مختصر الفاظ میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

تاریخی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء میں ہوئی۔ اور جس زمانہ میں آپ پیدا ہوئے وہ زمانہ نہایت جہالت کا زمانہ تھا اور لوگوں کی تعلیم کی طرف بہت کم توجہ تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے نام کوئی خط آتا تو اسے پڑھوانے کے لئے اسے بہت محنت اور مشقت برداشت کرنی پڑتی۔ اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا کہ ایک لمبا عرصہ خط پڑھنے والا کوئی نہ ملتا۔

جہالت کے اس زمانہ میں آپ کے والد نے بعض معمولی پڑھے لکھے اساتذہ آپ کی تعلیم پر مقرر کئے جنہوں نے آپ کو قرآن کریم پڑھنا سکھایا۔ مگر وہ اس قابل نہ تھے کہ معارفِ قرآنی اور اسرارِ روحانی کی ابتدائی تعلیم بھی آپ کو دے سکتے۔ اس کے علاوہ ان اساتذہ نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم آپ کو دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو عربی اور فارسی پڑھنی آ گئی۔ اس سے زیادہ آپ نے اساتذہ سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی۔ سوائے طب کی بعض کتب کے جو آپ نے اپنے والد سے پڑھیں جو اس زمانہ میں ایک مشہور طبیب تھے۔

یہ تھی وہ کُل تعلیم جو آپ نے درسی طور پر حاصل کی۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا اور آپ اپنے والد صاحب کے کتب خانہ کے مطالعہ میں بہت مشغول رہتے رہتے تھے۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں علم کی خاص قدر نہ تھی اور آپ کے والد کی خواہش تھی کہ وہ دنیوی کاموں میں اپنے والد کا ہاتھ بٹائیں اور دنیا کمانے اور دنیا میں عزت کے ساتھ رہنے کا ڈھنگ سیکھیں اس لئے آپ کے والد آپ کو کتب کے مطالعہ سے ہمیشہ روکتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ زیادہ پڑھنے سے تمہاری صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔

ظاہر ہے کہ اس قدر معمولی تعلیم کا مالک وہ عظیم کام ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ جو اللہ تعالیٰ آپ سے لینا چاہتا تھا اس لئے خدا خود آپ کا معلّم اور استاد بنا اور خود اس نے آپ کو معارفِ قرآنی اور اسرارِ روحانی اور دنیوی علوم کے بنیادی اصول سکھائے اور اس کے ذہن کو اپنے نور سے منوّر کیا اور

اُسے قلم کی بادشاہت اور بیان کا حسن اور شیرینی عطا کی اور اُس کے ہاتھ سے بیسیوں بے مثل کتب لکھوائیں اور بیسیوں شیریں تقاریر کروائیں جو علم اور معرفت کے خزانوں سے بھری ہوئی ہیں۔

۱۸۳۵ء کا سال اس قدر اہم اور اس سال پیدا ہونے والا بچہ اس قدر عظیم تھا کہ پہلے نوشتوں میں اُس کی پیدائش کی خبر دی گئی تھی۔ اس ضمن میں مَیں صرف ایک پیشگوئی بتانا چاہتا ہوں اور وہ پیشگوئی حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو آپؐ نے اس موعود کے متعلق قریباً تیرہ صد سال قبل دی تھی اور وہ یہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ وَلَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

(دار قطنی جلد اوّل ص۱۸۸ مؤلفہ حضرت علی بن عمر بن احمد الدار قطنی مطبوعہ مطبع انصاری)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ اُمّتِ مسلمہ میں بہت سے جھوٹے دعویدار کھڑے ہوں گے جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق مہدی ہیں حالانکہ وہ مہدی نہ ہوں گے۔ مہدویت کا سچا دعویدار وہ ہوگا جس کی صداقت کے ثبوت کے لئے آسمان دو نشان ظاہر کرے گا یعنی چاند اور سورج اس کی سچائی پر گواہ ٹھہریں گے اس طرح کہ رمضان کے مہینے میں چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات یعنی ۱۳۔ ماہِ رمضان کو چاند گرہن ہوگا اور اسی رمضان میں سورج گرہن ہونے کے درمیانے دن یعنی ۲۸ رمضان کو سورج گرہن ہوگا۔ مہینوں میں سے ماہِ رمضان کی تعیین اور چاند کے لئے پہلی رات کی تعیین اور سورج کے لئے درمیانے دن کی تعیین غیر معمولی تعیین ہے جو انسانی طاقت اور علم اور فہم سے بالا ہے۔

چنانچہ جب وقت آیا تو ایک مدّعی نے واقعی ظہور کیا اور دعویٰ کیا کہ مَیں مہدی ہوں اور اس کے دعوے کے ثبوت کے طور پر دونوں نشان یعنی چاند اور سورج گرہن جس طرح کہ پیشگوئی میں بتائے گئے تھے ظہور میں آئے۔ پس یہ ایک غیر معمولی اور معجزانہ پیشگوئی تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہدی کے لئے کی تھی۔ اور جیسا کہ واقعات نے ثابت کیا کہ یہ پیشگوئی اپنے وقوعہ سے قریباً تیرہ صد سال قبل کی گئی تھی، یہ پیشگوئی انسانی عقل اور قیافہ اور علم سے بالا ہے۔

پھر یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ وہ عظیم بچہ جو ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوا تھا اُس نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر ۱۸۹۱ء میں دنیا میں یہ اعلان کیا کہ وہی موعود مہدی ہے۔ اور اپنے دعوے کی صداقت کے

ثبوت کے لئے ہزاروں عقلی اور نقلی دلائل اور آسمانی تائیدات اور اپنی پیشگوئیاں جن میں سے بہت سی اس کے زمانہ میں پوری ہو چکی تھیں اور بہت تھیں جن کے پورا ہونے کا وقت ابھی بعد میں آنے والا تھا دنیا کے سامنے پیش کیں۔ مگر وقت کے علماء نے اس کے دعوے کو جھٹلایا اور انکار کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی کہ مہدی کے لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی معیّنہ تاریخوں میں چاند اور سورج کا گرہن بطور علامت کے بیان کیا تھا چونکہ اس پیشگوئی کے مطابق چاند اور سورج کو گرہن نہیں لگا اس سے ثابت ہوا کہ آپ اپنے دعوے میں سچے نہیں۔ لیکن وہ قادر و توانا خدا جو اپنے وعدہ کا سچا اور اپنے مخلص عباد کے ساتھ وفا اور پیار کا سلوک کرنے والا ہے اُس نے عین اپنے وعدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ۱۸۹۴ء کے ماہِ رمضان میں معیّنہ تاریخوں میں چاند اور سورج کو گرہن کی حالت میں کر دیا اور دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا اور ہر دو جہان کا رب بڑی عظمت اور جلال اور قدرت کا مالک ہے نہ صرف ایک دفعہ بلکہ یہی نشان رمضان ہی کے مہینہ میں اور انہی معیّنہ تاریخوں پر ۱۸۹۵ء میں دوسری دنیا کو دکھایا تا مشرق اور مغرب اور پرانی اور نئی دنیا کے بسنے والے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے روحانی فرزند حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی صداقت کے گواہ ٹھہریں۔ پس عظیم ہے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جس نے اپنے خدا سے علم پا کر یہ معجزانہ پیشگوئی فرمائی اور عظیم ہے آپ کا وہ روحانی فرزند جس کے حق میں وہ پوری ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کے زمانہ تک اگرچہ کئی پیدا ہوئے جنہوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر ان میں سے حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کی مہدویت کی صداقت پر چاند اور سورج گواہ بنے ہوں۔ یہ ایک بات ہی اس امر کے لئے کافی ہے کہ آپ ٹھنڈے دل اور گہرے فکر سے اس مدعی کے دعوے پر غور کریں جس کا پیغام میں آج آپ تک پہنچا رہا ہوں اور جس کی عظمت اور صداقت پر چاند اور سورج بطور گواہ کھڑے ہیں۔

سورج اور چاند کی شہادت تو میں بیان کر چکا اب آئیے زمین کی آواز سنیں وہ کیا کہتی ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام کی بعثت کی وجہ سے اور آپ کی صداقت کے ثبوت میں اس زمین پر ایک حیرت انگیز اور محیّر العقول مادی اور روحانی انقلاب ہونا مقدّر تھا۔

درحقیقت تمام انقلابات اور تمام تاریخی تغیرّات اسی ایک انقلاب کے سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں جو آپ کے دنیا میں مبعوث ہونے کے ساتھ شروع ہوا تھا اور جو آپ کی صداقت کے ثبوت کے طور پر بطور گواہ کے ہے۔ مزید برآں یہ سب انقلابات اور انسانی تاریخ کے سب اہم موڑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعودؑ

کی پیشگوئیوں کے مطابق ہیں۔ چند مثالیں میں پیش کرتا ہوں۔
آپؑ کے دعوے کے وقت مہذب اور فاتح مغربی طاقتوں کے مقابلہ میں کسی مشرقی طاقت کا کوئی وجود نہ تھا لیکن ۱۹۰۴ء میں آپؑ نے دنیا کو یہ بتایا کہ عنقریب مہذب اور فاتح مغربی طاقتوں کے رقیب کی حیثیت میں دنیا کے افق پر ایسی مشرقی طاقتیں ابھرنے والی ہیں جن کی طاقت کا لوہا مغربی طاقتوں کو بھی ماننا پڑے گا۔ چنانچہ جلد ہی اس کے بعد جنگ روس وجاپان میں جاپان نے فتح پائی اور وہ ایک مشرقی طاقت کے طور پر افقِ دنیا پر نمودار ہوا۔
پھر دوسری جنگِ عظیم میں جب جاپان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو چین ایک مشرقی طاقت کی حیثیت میں افقِ دنیا پر اپنی پوری مشرقیت اور طاقت کے ساتھ نمودار ہوا اور انسانی تاریخ میں ان ہر دو طاقتوں کے عروج کے ساتھ ایک نیا موڑ آیا جن کے اثرات انسانی تاریخ میں اتنے وسیع اور اہم ہیں کہ کوئی شخص ان سے انکار نہیں کر سکتا ـــــ اور یہ جو کچھ ہوا الٰہی منشاء اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے عین مطابق ہوا
ہمارے زمانے کا دوسرا اہم واقعہ جس سے قریباً ساری دنیا کسی نہ کسی رنگ میں متاثر ہوئی ہے زارِ روس اور شاہی نظام کی کامل تباہی اور بربادی اور کمیونزم کا برسرِ اقتدار آنا ہے۔ روسی انقلاب کا عظیم سانحہ جس نے دنیا کی تاریخ کا رُخ ایک خاص سمت موڑ دیا ہے بھی آپؑ کی پیشگوئی کے عین مطابق منصّۂ ظہور میں آیا۔ آپؑ نے ۱۹۰۵ء میں زارِ روس اور شاہی خاندان اور شہنشاہیت کی کامل تباہی اور زبوں حالی کی خبر دی تھی۔ اور یہ حیرت انگیز اتفاق ہے کہ اسی سال اس پیشگوئی کے چند ماہ بعد ہی وہ سیاسی پارٹی معرضِ وجود میں آئی جو قریباً بارہ تیرہ سال بعد شاہی خاندان اور شاہی نظامِ حکومت کی تباہی کا باعث بنی اور اس کے بعد کمیونزم پہلے روس میں اور پھر دنیا کے دیگر مقامات میں برسرِ اقتدار آیا۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔
زارِ روس کی تباہی اور کمیونزم کا غلبہ اور اقتدار تاریخ انسانیت کا نہایت دُکھ دہ المیہ اور اہم ترین واقعہ ہے جس کے پڑھنے سے گو دل میں درد تو پیدا ہوتا ہے لیکن اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ دنیا کا کوئی ملک بھی بشمول آپ کے ملک کے اس کے اثر سے بچ نہیں سکا۔ لیکن ہمارے لئے ان تبدیلیوں پر حیران ہونے یا تشویش کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ان تغیرات کی سمت، رفتار اور شدت کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلے ہی خبریں دے دی تھیں اور آئندہ اپنے وقت پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کس طرح یہ تغیرات خدائی ارادے کی تکمیل میں مد ہوئے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ مسیح موعود اور مہدی معہود کے زمانہ میں

دو طاقتیں ایسی اُبھریں گی کہ دُنیا اُن میں بٹ جائے گی اور کوئی اَور طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ پھر وہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ کر کے اپنی تباہی کا سامان پیدا کریں گی۔

لیکن صرف اس ایک جنگ کے بارے میں ہی پیشگوئی نہیں تھی بلکہ بانی سلسلہ احمدیہ نے پانچ عالمگیر تباہیوں کی خبر دی ہے۔

پہلی جنگِ عظیم کے متعلق آپؑ نے فرمایا تھا کہ دنیا سخت گھبرا جائے گی۔ مسافروں کے لئے وہ وقت سخت تکلیف کا ہوگا۔ ندیاں خون سے سرخ ہو جائیں گی۔ یہ آفت یک دم اور اچانک آئے گی۔ اس صدمہ سے جوان بوڑھے ہو جائیں گے۔ پہاڑ اپنی جگہ سے اڑا دئے جائیں گے۔ بہت سے لوگ اس تباہی کی ہولناکیوں سے دیوانے ہو جائیں گے۔ یہی زمانہ زار روس کی تباہی کا ہوگا۔ اس زمانے میں کمیونزم کا بیج دنیا میں بویا جائے گا۔ جنگی بیڑے تیار رکھے جائیں گے اور خطرناک سمندری لڑائیاں لڑی جائیں گی۔ حکومتوں کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔ شہر قبرستان بن جائیں گے۔

اس تباہی کے بعد ایک اور عالمگیر تباہی آئے گی جو اس سے وسیع پیمانے پر ہوگی اور زیادہ خوفناک نتائج کی حامل ہوگی۔ وہ دنیا کا نقشہ ایک دفعہ پھر بدل دے گی اور قوموں کے مقدر کو نئی شکل دے دے گی۔ کمیونزم بہت زیادہ قوت حاصل کرے گی اور اپنی مرضی منوانے کی طاقت اس میں پیدا ہو جائے گی اور وہ وسیع وعریض رقبہ پر چھا جائے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا مشرقی یورپ کے بہت سے حصے کمیونسٹ ہو گئے اور چین کے ستر کروڑ باشندے بھی اسی راستے پر چل پڑے اور ایشیا اور افریقہ کی اُبھرتی ہوئی قوموں میں کمیونزم کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا ہے۔ دنیا دو متحارب گروہوں میں منقسم ہو گئی ہے جن میں سے ہر ایک جدید ترین جنگی ہتھیاروں سے لیس اور اس بات کے لئے تیار ہے کہ انسانیت کو موت و تباہی کی بھڑکتی ہوئی جہنم میں دھکیل دے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک تیسری جنگ کی بھی خبر دی ہے جو پہلی دونوں جنگوں سے زیادہ تباہ کن ہوگی۔ دونوں مخالف گروہ ایسے اچانک طور پر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے کہ ہر شخص دم بخود رہ جائے گا۔ آسمان سے موت اور تباہی کی بارش ہوگی اور خوفناک شعلے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ نئی تہذیب کا قصرِ عظیم زمین پر آرہے گا۔ دونوں متحارب گروہ یعنی روس اور اس کے ساتھی اور امریکہ اور اس کے دوست ہر دو تباہ ہو جائیں گے ان کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ ان کی تہذیب و ثقافت برباد اور ان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ بچ رہنے والے حیرت اور استعجاب سے دم بخود اور ششدر رہ جائیں گے۔

روس کے باشندے نسبتاً جلد اس تباہی سے نجات پائیں گے اور بڑی وضاحت سے یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ

اس ملک کی آبادی پھر جلد ہی بڑھ جائے گی اور وہ اپنے خالق کی طرف رجوع کریں گے اور ان میں کثرت سے اسلام پھیلے گا اور وہ قوم جو زمین سے خدا کا نام اور آسمان سے اس کا وجود مٹانے کی شیخیاں بگھار رہی ہے وہی قوم اپنی گمراہی کو جان لے گی اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر پختگی سے قائم ہو جائے گی۔

شاید آپ اسے ایک افسانہ سمجھیں مگر وہ جو اس تیسری عالمگیر تباہی سے بچ نکلیں گے اور زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے کہ یہ خدا کی باتیں ہیں اور اس قادر و توانا کی باتیں ہمیشہ پوری ہی ہوتی ہیں۔ کوئی طاقت انہیں روک نہیں سکتی۔

پس تیسری عالمگیر تباہی کی انتہا اسلام کے **عالمگیر غلبہ اور اقتدار کی ابتداء** ہو گی اور اس کے بعد بڑی سرعت کے ساتھ اسلام ساری دنیا میں پھیلنا شروع ہو گا اور لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیں گے اور یہ جان لیں گے کہ صرف اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور یہ کہ انسان کی نجات صرف محمد الرسول اللہ کے پیغام کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ پہلے جاپان اور چین کا پیشگوئی کے مطابق مشرقی طاقت کے رنگ میں افق پر ابھرنا۔ روس کے شاہی خاندان اور شاہی نظام کی تباہی۔ اس کی بجائے کمیونزم کا قیام اور سیاسی اقتدار اور پھر دنیا میں اس کا نفوذ بڑھنا۔ پہلی عالمگیر جنگ جس نے دنیا کا نقشہ بدل دیا اور پھر دوسری عالمگیر جنگ جس نے دوبارہ دنیا کا نقشہ بدل دیا ایسے اہم واقعات ہیں جو تاریخ انسانیت میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ سب واقعات اسی طرح ظہور میں آئے جس طرح کہ ان کی پہلے سے خبر دی گئی تھی۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے مقصد کو پورا کر کے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اپنے خدا کے حضور حاضر ہو گئے ان تمام پیشگوئیوں کی اس سے قبل ہی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو چکی تھی اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کے متعلق جو پیش خبریاں دی گئیں اور نوٹ کی گئی ہے وہ بھی ضرور اپنے وقت پر پوری ہوں گی کیونکہ یہ پیش خبریاں ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ اسلام کے غلبہ اور اسلامی صبح صادق کے طلوع کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں گو ابھی دھندلے ہیں لیکن اب بھی ان کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کا سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہو گا اور دنیا کو منور کرے گا لیکن پہلے اس سے کہ یہ واقع ہو ضروری ہے کہ دنیا ایک اور عالمگیر تباہی میں سے گزرے۔ ایک ایسی خونی تباہی جو بنی نوع انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گی لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ یہ ایک انذاری پیشگوئی ہے اور انذاری پیشگوئیاں توبہ اور استغفار سے التواء میں ڈالی جا سکتی ہیں بلکہ ٹل بھی سکتی ہیں اگر انسان اپنے ربّ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے اور اپنے اطوار درست کر لے۔ وہ اب بھی خدائی غضب سے بچ سکتا ہے اگر وہ دولت اور طاقت اور عظمت کے جھوٹے خداؤں کی پرستش چھوڑ دے اور اپنے ربّ سے حقیقی تعلق قائم کرے۔

فسق و فجور سے باز آجائے ، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے لگے اور بنی نوع انسان کی سچی خیر خواہی اختیار کرلے مگر اس کا انحصار تو ان قوموں پر ہے جو اس وقت طاقت اور دولت اور قومی عظمت کے نشہ میں مست ہیں کہ آیا وہ اس مستی کو چھوڑ کر روحانی لذت اور سرور کے خواہاں ہیں یا نہیں ؟ اگر دنیا نے دنیا کی مستیاں اور خرمستیاں نہ چھوڑیں تو پھر یہ انذاری پیشگوئیاں ضرور پوری ہوں گی اور دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی مصنوعی خدا دنیا کو موعودہ ہولناک تباہیوں سے بچا نہ سکے گا ۔

پس اپنے پر اور اپنی نسلوں پر رحم کریں اور خدائے رحیم و کریم کی آواز کو سنیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور صداقت کو قبول کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا کرے ۔

اب میں مختصراً اس روحانی انقلاب کا ذکر کرتا ہوں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم روحانی فرزند کے ذریعہ دنیا میں رونما ہونا تھا ۔ مگر یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ آپ کی بعثت کے زمانہ میں اسلام انتہائی کس پرسی اور تنزل کی حالت میں تھا ۔ علم مسلمان کے پاس نہ تھا ۔ دولت سے وہ محروم تھے ۔ صنعت و حرفت میں ان کا کوئی مقام نہ تھا ۔ تجارت ان کے ہاتھ سے نکل چکی تھی ۔ سیاسی اقتدار وہ کھو چکے تھے اور حقیقی معنی میں تو دنیا کے کسی حصہ میں وہ صاحبِ اختیار حاکم نہ رہے تھے ۔ اخلاقی حالت بھی ابتر تھی اور شکست خوردہ ذہنیت ان میں پیدا ہو چکی تھی اور پھر ابھرنے اور زندہ قوموں کی صف میں کھڑے ہونے کی کوئی امنگ باقی نہ رہی تھی ۔ اسلام کی مخالفت کا یہ حال تھا کہ دنیا کی سب طاقتیں اسلام پر حملہ آور ہو رہی تھیں اور اسلام کو سر چھپانے کے لئے کہیں جگہ نہ مل رہی تھی ۔ عیسائیت سب میں پیش پیش تھی اور اسلام کی سب سے بڑی دشمن ۔ عیسائی منّاد کثرت سے دنیا میں پھیل گئے تھے عیسائی دنیا کی دولت اور سیاسی اقتدار ان منّاد کی مدد کو ہر وقت تیار تھا اور ان کا پہلا اور بھرپور وار اسلام کے خلاف تھا اسے اپنی فتح کا اتنا یقین تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دنیا میں اعلان کیا گیا کہ :-

۱ ۔ براعظم افریقہ عیسائیت کی جیب میں ہے

۲ ۔ ہندوستان میں دیکھنے کو بھی مسلمان نہ ملے گا اور

۳ ۔ وقت آگیا ہے کہ مکہ معظمہ پر عیسائیت کا جھنڈا لہرائے گا ۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کی اپنی حالت یہ تھی کہ ابھی گنتی کے چند غریب مسلمان آپ کے گرد جمع ہوئے تھے ۔ کوئی جتھہ کوئی دولت کوئی سیاسی اقتدار آپ کے پاس نہ تھا مگر وہ جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے ہے آپ کے ساتھ تھا اور اسی خدا نے آپ سے یہ کہا کہ دنیا میں یہ منادی کر دو کہ اسلام کی تازگی کے دن آگئے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب اسلام تمام ادیانِ عالم پر اپنے دلائل اور اپنی روحانی تاثیروں کی رو سے

غالب آئے گا۔

آگے چلنے سے قبل ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے اور ہم تمام مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح ناصری علیہ السلام خدا کے ایک برگزیدہ نبی تھے اور اُن کی والدہ بھی نیکی میں ایک پاک نمونہ تھیں قرآن کریم نے ان دونوں کا ذکر عزّت سے کیا ہے مریم علیہا السلام کو تو قرآن کریم نے پاکیزگی کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور قرآن کریم میں آپ کا ذکر انجیل کی نسبت زیادہ عزّت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن کریم ان دونوں کو معبود ماننے کے کلیسیائی عقیدے کی سختی سے تردید فرماتا ہے۔ یہ بات اور عیسائی کلیسیا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے انکار دو ایسے امور ہیں جو اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اور اصولی اختلاف ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :-

"میں ہر دم اسی فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے میرا دل مردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے اور میری جان عجیب تنگی میں ہے اس سے بڑھ کر اور کون سا دلی درد کا مقام ہوگا کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنا لیا گیا اور ایک مشت خاک کو رب العالمین سمجھا گیا۔ میں کبھی کا اس غم میں فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا قادر و توانا مجھے تسلّی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئے گی اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا خدائے قادر فرماتا ہے اگر میں چاہوں تو مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ اور تمام زمین کے باشندوں کو ہلاک کر دوں سو اب اس نے چاہا ہے کہ ان دونوں کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھا دے سو اب دونوں مریں گے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا اور وہ تمام خراب استعدادیں بھی مریں گی جو جھوٹے خداؤں کو قبول کر لیتی تھیں نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔ کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہوگا۔ جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ

باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا - اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دیگا۔
لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور
پاک دلوں پر ایک نُور اُتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"
(تبلیغ رسالت جلد ششم ص۹)

اِن زبردست پیشگوئیوں کے بعد تو دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا۔ افریقہ کا وسیع براعظم عیسائیت کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی بجائے اسلام کے خنک اور سرور بخش سایہ تلے جمع ہو رہا ہے۔ ہندوستان میں یہ حالت ہے کہ احمدی نوجوانوں سے بات کرتے ہوئے بھی بڑے بڑے پادری گھبراتے ہیں اور مکّہ پر عیسائیت کا جھنڈا لہرانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا اور نہ کبھی ہوگا (انشاء اللہ)۔

غلبۂ اسلام کے متعلق جو بشارتیں دی گئی تھیں ان کے پُورا ہونے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ مگر جیسا کہ مَیں پہلے بتا چکا ہوں ایک تیسری عالمگیر تباہی کی بھی خبر دی گئی ہے جس کے بعد اسلام پُوری شان کے ساتھ دنیا پر غالب ہوگا۔ مگر یہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ توبہ اور اسلام کی بتائی ہوئی راہیں اختیار کرنے سے یہ تباہی ٹل بھی سکتی ہے۔ اب یہ آپ کے اختیار میں ہے کہ اپنے خدا کی معرفت حاصل کر کے اور اس کے ساتھ سچا تعلق پیدا کر کے خود کو اور اپنی نسلوں کو اس تباہی سے بچالیں یا اس سے دُوری کی راہیں اختیار کر کے خود کو اور اپنی نسلوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ ڈرانے والے عظیم انسان نے خدا اور محمدؐ کے نام پر (مندرجہ ذیل الفاظ میں) آپ کو ڈرایا ہے اور اپنا فرض پُورا کر دیا ہے۔ میری یہ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو اپنا فرض پُورا کرنے کی توفیق دے۔ مَیں اپنی تقریر اس عظیم شخص کے اپنے الفاظ پر ختم کرتا ہوں:-

"یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض اُن میں قیامت کا نمونہ ہوں گے۔ اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین و آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی یہانتک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں

کے کسی صفحہ میں ان کا پتہ نہیں ملے گا۔ تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہو گا کہ یہ کیا ہونے والا ہے۔ اور بہتیرے نجات پائیں گے اور بہتیرے ہلاک ہو جائیں گے۔ وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ یہ اس لئے کہ نوعِ انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دُنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدّت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے جیسا کہ خدا نے فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے۔ اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں اُن پر رحم کیا جائے گا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم اِن زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہو گا۔ یہ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید ان سے زیادہ مصیبت کا مُنہ دیکھو گے۔ اے یورپ تُو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تُو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد و یگانہ ایک مدّت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چُپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے کہ وہ وقت دُور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پُورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشمِ خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے۔ توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جاوے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اُس سے نہیں ڈرتا وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶-۲۵۷)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین۔

جلسہ سالانہ پر احباب زیادہ سے زیادہ تشریف لاکر روحانی برکات سے متمتّع ہوں!

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے احباب جماعت کو جلسہ سالانہ پر آنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ برکات و فیوض حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۷ء میں جو ارشاد فرمایا ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے ——— (ایڈیٹر)

رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا ایک دروازہ جو اُس نے ہم پر کھولا ہے وہ جلسہ سالانہ ہے ہمارا جلسہ سالانہ پر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیشمار برکتیں نازل ہوتی ہیں خدا تعالیٰ کی اور بہت سارے گناہ اور غفلتیں اور کوتاہیاں اور کمزوریاں اور نقائص مغفرت کی چادر میں ڈھانپ دیئے جاتے ہیں۔ احمدیوں کا کثرت سے جلسہ پر آنا بھی ایک معجزہ ہے خدا کے مسیح کا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم روحانی فرزند کا اور بڑی قربانی ہے جماعت کی جو اس موقع پر بھی وہ پیش کرتی ہے۔ یہ تو درست ہے کہ ہماری جماعت میں بعض امیر بھی ہیں جن پر جلسہ میں شمولیت کی وجہ سے کوئی مالی بار نہیں پڑتا نہ وہ کوئی تنگی محسوس کرتے ہیں جس طرح وہ گھروں میں خرچ کر رہے ہوتے ہیں اس موقع پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ ان کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم پہ کوئی بار پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنی برکتوں اور رحمتوں سے نوازتا ہے لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ جو سال بھر جلسہ میں شمولیت کی تیاری کرتے رہتے ہیں، پیسہ پیسہ جوڑتے ہیں۔ بعض کھانے کے خرچ میں سے ایک حصہ بچاتے ہیں۔ کپڑے نہیں بناتے، بچوں کو ننگے پاؤں پھرنے دیتے ہیں تاکہ اُن کے پاس اتنے پیسے جمع ہو جائیں کہ وہ جلسہ میں شریک ہو سکیں۔ اگر آپ اس تفصیل میں جائیں اور آنے والوں کا تفصیلی جائزہ لیں تو حیران ہو جائیں۔ آپ ان کے ایثار اور قربانی کو دیکھ کر کسی اور کے سامنے یہ باتیں رکھیں تو وہ مانے گا نہیں۔ وہ کہے گا یونہی گپیں مار رہے ہو تم۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ پچاس ساٹھ ہزار آدمی جلسہ میں شامل ہونے کی غرض سے اس قسم کی تکالیف سارا سال برداشت کرتا رہا ہو۔

پس جماعت جلسہ میں شمولیت کے لئے بڑی قربانیاں دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی فضل کرنے والا اور بڑی رحمت کرنے والا ہے جماعت پر ان دنوں میں بھی اور بعد میں بھی ان قربانیوں کو دیکھ کے لیکن خصوصاً ان دنوں میں بڑی برکت نازل کرتا ہے۔ ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، مغفرت کی چادر میں ان کو چھپا لیتا ہے، اپنے نور کی چادر میں

انہیں لپیٹ لیتا ہے۔ جب وہ آتے ہیں تب بھی وہ مخلص احمدی ہوتے ہیں لیکن جب وہ واپس لوٹتے ہیں تو اپنے اخلاص میں پہلے سے بھی کہیں بڑھ کے ہوتے ہیں۔ جلسہ کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نظارے دیکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے دُعائیں کرتے ہیں۔ ایک لاکھ آدمی اجتماعی دعا کر رہا ہو، اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو، اگر خلوص نیت ہو، اگر کبر نہ ہو، اگر نخوت نہ ہو، اگر یہ خیال نہ ہو کہ ہمارا کوئی حق ہے جو ہم نے اپنے رب سے لینا ہے بلکہ نہایت عاجزی اور تواضع اور انکسار کے ساتھ دعائیں کی جائیں تو اتنا بڑا مجمع جب دُعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے زندہ نشان جلسہ کے ایام میں ہزاروں احمدی دیکھتے ہیں۔ چونکہ یورپ کے سفر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا رحمت سے بڑا ہی بابرکت کر دیا اور اللہ تعالےٰ کے بے شمار احسانوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے اس لئے ہمارا احساسِ فقر تیز ہو گیا ہے، ہماری احتیاج زیادہ ہو گئی ہے، پس ہم تبھی خوش ہو سکتے ہیں کہ ہم سے ایسے کام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سرزد ہوں کہ جن کے نتیجہ میں وہ پہلے سے بھی زیادہ ہم پر رحمتیں کرنے لگے اور وہ جیسا کہ قرآن کریم نے ہمیں بتایا ہے صحیح شکر کے نتیجہ میں ہی ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کے طور پر مزید قربانی دیں جو پہلے نہیں آسکتے تھے وہ اِس جلسہ پر آئیں اور زیادہ سے زیادہ دوست جلسہ سالانہ پر جمع ہوں۔

اِس کے لئے ابھی سے تیاری کر لیں اگر پہلے تیاری نہیں کی کسی نے۔ رخصتیں لینی ہوتی ہیں، گھر کو سنبھالنے کے لئے انتظام کرنا ہوتا ہے، پانچ دس دن کے لئے گھر اکیلا چھوڑنا ہوتا ہے خصوصاً جب اس محلہ کی اکثریت احمدیوں کی ہو اور وہ جا رہے ہوں تو کئی دوست اپنے گھروں کو بظاہر "عورۃ" چھوڑ کر جلسہ میں شمولیت کے لئے آ جاتے ہیں اور اپنے گھروں کو ننگا چھوڑ آتے ہیں۔ منافقوں نے تو کہا تھا کہ ہمارے گھر عورۃ ہیں ہم جہاد میں شامل نہیں ہو سکتے۔ احمدی کہتا ہے کہ منافق کو میرا گھر بھی عورۃ نظر آئے گا کیونکہ ان گھروں پر خدا تعالےٰ کی رحمت اور حفاظت کا نزول اسے نظر نہیں آ رہا، اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کو نظر نہیں آ رہے تو تم منافق عورۃ اس کو سمجھو میں اس کو تمہاری زبان میں عورۃ ہی چھوڑ جاتا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گھر کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اور اکثر اللہ تعالیٰ حفاظت بھی کرتا ہے اور بعض دفعہ امتحان بھی لیتا ہے لیکن مومن کہتا ہے کہ اسے خدا! میں اپنے گھر کو اکیلا چھوڑ آیا تیری رضا کے حصول کیلئے۔ اگر تیری رضا کا حصول جلسہ میں شمولیت کی عاجزانہ قربانی اور گھر کے لُوٹے جانے کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے تو میں اِس پر بھی خوش ہوں۔ میرا گھر ہزار بار لُوٹا جائے تیری رضا ایک لحظہ کے لئے مجھ سے جُدا نہ ہو وہ مجھے ہمیشہ حاصل رہے۔ پس میں دوستوں کو اِس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ جلسہ میں زیادہ سے زیادہ شامل ہوں۔

درازئ عمر کے اصول

ذیل کا مضمون محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے انصار اللہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں ۲۸ اکتوبر کو پڑھا ——— (ایڈیٹر)

خاکسار کے مضمون کا عنوان "درازئ عمر کے اصول" ہے۔ اس عنوان سے دوست یہ خیال نہ کریں کہ میں کوئی ایسے گر بتاؤں گا جن سے لازمی طور پر انسان کی عمر دراز ہو جائے گی کیونکہ انسانی زندگی کا ہر سانس محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اور میں یہی کوشش کروں گا کہ وہ اصول بتاؤں جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے قانونِ قدرت یا قانونِ شریعت میں نافذ کئے ہیں۔ جن پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے لمبی عمر پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کو ایک مشین کی طرح بنایا ہے اور یہ مشین نہایت پیچیدہ ہے۔ اس کا ہر عضو باریک در باریک ذرات یعنی cells سے تیار ہوا ہے اور ان باریک ذرات کی خصوصیات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہر عضو کا فعل مختلف ہے۔ جہاں مُنہ، معدہ اور انتڑیوں کے ابتدائی حصہ کو اللہ تعالیٰ نے غذا ہضم کرنے کا کام سونپا ہے وہاں انتڑیوں کے آخری حصہ کو اس ہضم شدہ غذا کو خون میں داخل کرنے کا کام سونپا ہے۔ اسی طرح دوسرے اعضاء ہر وقت اپنے مقررہ کام میں لگے رہتے ہیں اور یہ کام بچے کی پیدائش سے لے کر بڑے ہونے اور پھر بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جانے کے بعد مرنے تک صبح و شام جاری رہتے ہیں۔ انسان کو کچھ علم نہیں ہوتا مگر اس کے جسم کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔

آجکل کا زمانہ مشینی دَور کا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی بنائی ہوئی مشین ایک عرصہ تک کام کرتی ہے اور پھر اس میں نقص واقعہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر تو یہ مشین کسی ماہر کے ہاتھ میں ہو جو اس کا صحیح استعمال کرے، اس کی پوری دیکھ بھال کرے، ذرا سے نقص پیدا ہونے پر اس کو درست کرے، اس مشین سے اتنا کام نہ لے کہ اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ پڑے تو پھر یہی مشین اپنی مقررہ عمر تک اچھا کام کرتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس اگر اس مشین کی پوری دیکھ بھال نہ کی جائے اور اس پر کام کا بوجھ اس کی طاقت سے زیادہ ڈال دیا جائے تو یہ بہت جلد خراب ہو جاتی ہے اور بالآخر ختم ہو جاتی ہے یہی حال انسان

کے جسم کی مشینری کا ہے۔ اگر اس مشین پر اُن حدود کے اندر رہ کر بوجھ ڈالا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کی ہیں تو پھر بظاہر حالات میں انسانی جسم کی مشین میں زیادہ لمبا عرصہ کام کرنے کی قوت قائم رہتی ہے۔

انسانی جسم اپنی پوری زندگی میں مختلف ادوار سے گزرتا ہے۔ پہلے بچپن کا زمانہ ہوتا ہے، پھر جوانی کا پھر ادھیڑ عمر کا اور پھر بڑھاپے کا۔ ان زمانوں میں انسانی جسم کی ضروریات بالکل مختلف ہوتی ہیں جن کو ذیل کے مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:-

۱- **غذا** - غذا کا انسانی جسم کی بقاء اور اس کی نشوونما پر بڑا گہرا اثر ہے۔ انسان کی غذا بچپن میں اور ہوتی ہے۔ یعنی اس کو جسم کی نشوونما کے لئے دودھ، مکھن، انڈہ اور گوشت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور یہ ضروریات انسان کے جوان ہونے تک جاری رہتی ہیں۔ جب انسان پوری طرح جوان ہو جاتا ہے یعنی بیس سے پچیس سال کی عمر تک، تو پھر اس کے بعد اس کی غذائیں دودھ، مکھن، انڈہ گوشت وغیرہ کی کثرت کی ضرورت نہیں بلکہ اعتدال ضروری ہے۔ جوانی کے زمانہ میں انسان کی غذا معتدل ہونی چاہیئے اور جب جوانی کے ڈھلنے کا وقت شروع ہو جائے تو غذا میں کمی کرنا صحت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مختلف اقسام کی غذائیں پیدا فرمائی ہیں اور یہ غذائیں ہماری زندگی کے مختلف ادوار کے لئے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً بچپن کے زمانہ کیلئے ایسی غذائیں ہیں جن میں انسانی جسم کی نشوونما کی خصوصیات ہیں مثلاً جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں دودھ، مکھن، انڈا اور گوشت ہیں۔ پھر جب جسم کی مکمل نشوونما ہو جاتی ہے تو ان غذاؤں کا استعمال ایک حد تک تو جائز ہے مگر زیادہ کثرت سے ایسی غذائیں استعمال کرنے سے انسانی جسم میں فاسد مادے اکٹھے ہونے شروع ہو جاتے ہیں جو انسان کے جسم کو کمزور اور بیماریوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور بالآخر زندگی کم کر دیتے ہیں۔

۲- دوسری چیز جو انسانی جسم کے صحت مند ہونے کے لئے ضروری ہے وہ ورزش ہے۔ ورزش بھی ہماری زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف نوعیت کی ہونی چاہیئے۔ بچپن کے زمانے میں ورزش اَور قسم کی ہوتی ہے، جوانی کے زمانہ میں اَور قسم کی اور بڑی عمر کے زمانہ میں اَور قسم کی۔

۳- تیسری چیز جو انسانی جسم کے لئے ضروری ہے وہ صاف اور کھلی ہوا ہے اور یہ ضرورت ایسی ہے کہ انسانی زندگی کے ہر دور کے لئے اس کی اہمیت یکساں ہے۔

۴- چوتھی چیز جو انسانی جسم کے لئے ضروری ہے وہ پاکیزگی ہے اور یہ چیز بھی انسانی زندگی کے ہر دور کے لئے یکساں اہمیت رکھتی ہے۔

۵- پانچویں چیز جو انسانی جسم کے لئے ضروری ہے آرام ہے - انسان جب ایک حد تک کام کر کے تھک جاتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ کچھ آرام کرے - آرام کی نوعیت بھی ایسی ہے کہ انسان کی زندگی کے مختلف حصوں میں بدل جاتی ہے - مثلاً بہت چھوٹی عمر میں بچہ کو زیادہ سونے کی ضرورت ہے - اس کے بعد جوں جوں انسان بڑا ہوتا جاتا ہے نسبتاً کم آرام کی ضرورت ہے مگر پھر بڑھاپے کی عمر میں جا کر جسم کو زیادہ آرام دینا ضروری ہے -

انسان کی بنیادی ضروریات کا ایک مختصر خاکہ پیش کرنے کے بعد خاکسار اس طرف آتا ہے کہ اراکین انصار اللہ یعنی چالیس سال سے زائد عمر پانے والے دوستوں کے لئے کونسا طریق قانون قدرت کے عین مطابق ہے جس سے صحت بحال رکھی جا سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندگی میں برکت پڑ سکتی ہے -

۱- سب سے پہلے غذا ہے - چالیس سال کی عمر کے بعد غذا میں اعتدال ضروری ہے - انڈا اور روغن غذا کم سے کم ہونی چاہیئے - اسی طرح نشاستہ کی اشیاء مثلاً آٹا، چاول، آلو وغیرہ بھی کم استعمال کرنی چاہئیں - نیز ایک وقت میں کبھی شکم بھر کر کھانا نہیں کھانا چاہیئے - اس گُر کو ہمارے سید و مولیٰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے - جیسا کہ آپ کی ایک حدیث میں ذکر ہے کہ تم کھانا اُس وقت چھوڑ دو جبکہ ابھی کچھ بھوک باقی ہو - نیز آپؐ نے فرمایا کہ کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے اور مومن ایک آنت سے - ہمارا سب کچھ قربان ہو ہمارے آقا پر کہ آپؐ نے چودہ سو سال پہلے ہمیں وہ گُر بتا دیا جو آج سائنس اور طب ثابت کر رہے ہیں - کیونکہ زیادہ پیٹ بھر کر کھانے سے یہ غذا پوری طرح ہضم نہیں ہوتی اور ہمارے جسم میں فاسد مادے اکٹھے ہوتے رہتے ہیں جو خون کی شریانوں میں جمع ہو کر بالآخر دل اور شریانوں کی بیماریوں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں اور انسانی زندگی کو جلد ختم کر دیتے ہیں -

غذا کے سلسلہ میں ایک اور زریں اصول ہمارے آقاؐ نے یہ بتایا ہے کہ جب بھوک لگے تو کھاؤ اور کھانا خوب چبا چبا کر کھاؤ - یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے ہمارے ہضم کے اعضاء پر بوجھ نہیں پڑے گا اور اس طرح وہ ایک بڑی عمر تک صحت مند اور کام کرنے کے قابل رہیں گے - پھر غذا میں سادگی بھی ضروری ہے - پُر تکلف غذا ہضم کے فعل کو خراب کر دیتی ہے اور آخر کار اس کو ناکارہ بنا دیتی ہے - ہماری غذا ملی جلی ہونی چاہیئے - اس میں کچھ گوشت، کچھ نشاستہ کی چیزیں - مثلاً آٹا، چاول وغیرہ اور تھوڑی مقدار میں چکنائی ہونی چاہیئے - اس کے علاوہ

پھل اور سبزیوں کا استعمال حسبِ استطاعت ضرور کرنا چاہیئے۔

۲۔ انسانی جسم کو صحت مند حالت میں رکھنے کے لئے دوسری ضروری چیز ورزش ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ورزش ہر عمر کے لئے ضروری ہے۔ چالیس سال سے اُوپر والوں کے لئے ورزش نسبتاً ہلکی ہونی چاہیئے۔ مثلاً گھوڑا سواری، پیدل چلنا، تیرنا وغیرہ وغیرہ۔ اگر انسان ہر روز صبح کی نماز کے بعد کم از کم تین میل چلے تو پھر اس کے جسم میں فاسد مادے جمع نہیں رہ سکتے۔ اور اس کی شریانوں اور دل کی حالت کو خراب نہیں کر سکتے۔ ورزش میں بھی ہمیں اپنی شریعت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ نظر آتا ہے۔ آپؐ گھوڑا سواری، تیراندازی وغیرہ کی مشق فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخر عمر تک باقاعدگی سے صبح کی نماز کے بعد چار یا پانچ میل تک پیدل سَیر کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ صبح کی سیر میں ایک تو ورزش اچھی ہو جاتی ہے دوسرے صبح کی تازہ ہوا انسان کے جسم میں جاتی ہے جو صحت کے لئے بہت مفید ہے۔

۳۔ تیسری چیز جس کا میں نے ذکر کیا تھا وہ تازہ اور کھُلی ہُوا ہے۔ اس کا ذکر ابھی میں کر چکا ہوں۔ سَیر کے وقت تو انسان کھُلی ہوا میں ہوتا ہے اس کے علاوہ گھر یہ بھی اِس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ رہائش کے کمروں میں تازہ ہُوا کی آمد و رفت رہے۔ تازہ ہوا انسانی صحت اور درازیٔ عمر کے لئے ضروری اور اہم چیز ہے۔

۴۔ چوتھی چیز جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ بحالیٔ صحت اور بقائے زندگی کے لئے ضروری ہے وہ پاکیزگی اور طہارت ہے۔ اگر انسان صاف نہ رہے اور طہارت کا خیال نہ رکھے تو سینکڑوں قسم کے جراثیم جسم میں داخل ہوتے رہتے ہیں اور آہستہ آہستہ صحت کو خراب کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اس کی زندگی کو بھی خطرہ میں ڈال دیتے ہیں۔ پاکیزگی اور صفائی کے متعلق تو ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس شدت سے تاکید فرمائی ہے کہ کسی اور شریعت میں اس کا عشرِ عشیر بھی ہمیں نظر نہیں آتا۔ ہمارے آقا نے نہ صرف ہمیں اپنے جسم کی پاکیزگی اور طہارت کی طرف شدّت سے توجہ دلائی ہے بلکہ ہمیں اپنے مکان، اپنے ماحول، اپنے محلّے کو بھی پاک و صاف رکھنے کی سختی سے تاکید فرمائی ہے۔ ذاتی صفائی میں ایک اہم چیز مسواک کرنا ہے۔ اگر انسان مسواک یا دانتوں پر برش نہ کرے تو دانتوں اور مسوڑھوں میں جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جو نہ صرف دانت خراب کر دیتے ہیں بلکہ معدہ کے فعل کو بھی بالکل خراب کر دیتے ہیں اور آہستہ آہستہ صحت خراب کر کے انسان کو قبل از وقت بوڑھا کر دیتے ہیں۔ مسواک کے متعلق تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس قدر

سختی سے تاکید فرمائی کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا اگر مَیں یہ خیال نہ کرتا کہ یہ چیز میری اُمّت پر بار ہو جائے گی تو مَیں ہر نماز سے قبل وضوء کے ساتھ مسواک کرنا لازمی قرار دے دیتا۔ اِس سے آپ سب دوست دانتوں کی صفائی کی اہمیت سمجھ گئے ہوں گے۔

۵۔ پانچویں چیز جس کے بارہ میں مَیں نے ذکر کیا تھا وہ مناسب آرام ہے۔ انسان کا جسم جب کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو اس کو آرام کی ضرورت ہے۔ اِسی لئے اللہ تعالےٰ نے ہمارے لئے دن اور رات کو پیدا کیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے رات کو اِس لئے پیدا کیا ہے تا تم جب دن بھر کام کر کے تھک جاؤ تو پھر کچھ گھنٹے آرام کر لو۔ اِسی طرح قرآن شریف اور احادیث سے دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ آرام کرنے کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ چالیس سال سے ساٹھ سال کی عمر تک کے لئے دن رات ملا کر سات گھنٹے آرام کرنا ضروری ہے اور ساٹھ سال سے اُوپر کی عمر میں نسبتاً زیادہ آرام کی ضرورت ہے۔ جو لوگ جسم کے مناسب آرام کا خیال نہیں رکھتے اُن کی صحت آہستہ آہستہ خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے اور وہ زیادہ لمبی عمر نہیں پاتے۔

مندرجہ بالا پانچ بالکل سادہ اصول بیان کئے گئے ہیں جو اللہ تعالےٰ کے قانونِ قدرت کے مطابق ہیں اور جن پر شریعت نے بھی بہت زور دیا ہے ان اصولوں پر چل کر انسان یقیناً اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نصرت سے لمبی عمر پا سکتا ہے لیکن ان اصولوں پر عمل کرتے ہوئے بھی ایک بہت بڑی خامی باقی رہ جاتی ہے۔ اگر اس کی طرف توجہ نہ دی جائے تو ان اصولوں پر عمل کرنے کے باوجود بھی لمبی عمر پانا یقینی نہیں ہے اور وہ چیز دین کا پہلو ہے یعنی تعلق باللہ، دعا اور حقوق العباد۔

جو شخص قانونِ قدرت کے مندرجہ بالا اصولوں پر پوری طرح کاربند ہونا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اِس کام کی تکمیل کے لئے بھی اپنے رب کے حضور دُعا کرتا رہے کہ وہ اپنے خاص فضل سے اِن طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پھر یہ کہ عبادات کو پُورے لوازمات کے ساتھ بجا لائے کیونکہ عبادات اور ذکرِ الٰہی ایسی باتیں ہیں کہ ان سے انسان کو تسکینِ قلب حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اور یہ حقیقت ہے جس کو طِب آج ثابت کر رہی ہے کہ جن لوگوں کی زندگی پُورے اطمینانِ قلب کے ساتھ گزرتی ہے ان کو دل یا شریانوں کی بیماری بہت شاذ ہوتی ہے اور اِس وجہ سے بڑھاپا بھی بہت دیر کے بعد آتا ہے۔

شریعت نے زیادہ لمبی عمر پانے کا ایک دینی گُر بھی بتایا ہے کہ جو انسان حقوق العباد پُوری طرح ادا

کرنے لگا وہ نافع الناس وجود بن جائے گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

فَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ط

یعنی جو نافع الناس وجود ہوتا ہے اس کی عمر بڑھا دی جاتی ہے۔

پس میرے بزرگو اور میرے بھائیو! اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی عمر لمبی ہو تو آپ قانونِ قدرت کے مندرجہ بالا پانچ اصولوں پر پُوری طرح کاربند ہونے کی کوشش کریں اور اس کے ساتھ ساتھ عبادتِ الہٰی وذکرِ الٰہی، دُعا اور حقوق العباد کو پُوری شرائط کے ساتھ بجالانے کی کوشش کریں اللہ تعالیٰ یقیناً اپنا فضل آپ پر نازل فرمائے گا اور آپ کی عمروں میں خارق عادت برکت ڈال دے گا جیسا کہ اُس نے اِس زمانہ میں اپنے رسول مسیح موعود علیہ السلام سے وعدہ کیا اور آپؑ کے صحابہؓ کی عمروں میں خارق عادت برکت ڈال دی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اِن باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری عمروں کو اس لئے لمبا فرمائے کہ ہم اس کے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں اور اس کی رضا کی راہوں پر چلنے والے ہوں۔ آمین وما توفیقنا اِلّا باللہ۔

درازیٔ عمر کا ایک زرّیں اصول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"قرآن شریف نے ایک اصول بتایا ہے وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ یعنی جو نفع رساں وجود ہوتے ہیں ان کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو درازیٔ عمر کا وعدہ فرمایا ہے جو دوسرے لوگوں کے لئے مفید ہیں..... انسان کا فرض ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچاتے اور اس کی صورت یہ ہے۔ اُن کو خدا کی محبت پیدا کرنے اور اس کی توحید پر قائم ہونے کی ہدایت کرے جیسا کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ سے پایا جاتا ہے۔ انسان بعض وقت خود ایک امر کو سمجھ لیتا ہے لیکن دوسرے کو سمجھانے پر قادر نہیں ہوتا اس لئے اس کو چاہیئے کہ محنت اور کوشش کرکے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاوے۔ ہمدردی خلائق یہی ہے کہ محنت کرکے دماغ خرچ کرکے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچ سکے تاکہ عمر دراز ہو۔"

(الحکم ۱۰ر جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۴)

مقام عبد

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے)

ایک مومن ہر نماز میں اور ہر رکعت میں یہ دُعا کرتا ہے کہ:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ (الفاتحہ)

(اے اللہ) ہمیں سیدھے راستہ پر چلا۔ ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تُو نے انعام کیا ہے جن پر نہ تو (بعد میں تیرا) غضب نازل ہوا (ہے) اور نہ وہ (بعد میں) گمراہ (ہو گئے) ہیں۔ (تفسیر صغیر)

ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سیدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"یہ دُعا اجتماعی اور قومی دُعا ہے اور ہر قوم ایک زمانہ تک منعم علیہ ہونے کے بعد مغضوب علیہم یا ضالّ دونوں بن جاتی ہے۔ پس اس دُعا کا یہی مطلب ہے کہ ہماری ابتدا ء بھی منعم علیہ کی ہو اور ہماری انتہاء بھی منعم علیہ کی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری قوم آہستہ آہستہ منعم علیہم سے بدل کر مغضوب ہو جائے یا ضالّ ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ فرد مغضوب اور ضالّ نہ بنے بلکہ یہ مراد ہے کہ قوم مغضوب اور ضالّ نہ بنے جس کی طرف اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں جمع کا صیغہ استعمال کر کے اشارہ کیا گیا ہے۔ پس غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کی آیت بتاتی ہے کہ یہ آئندہ زمانہ کے متعلق دعا ہے نہ کہ صحابہؓ کے زمانہ کے متعلق اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے یہی معنی کئے ہیں کیونکہ جب آپ سے صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مغضوب علیہم اور ضالین کون ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا یہود و نصاریٰ۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم جس طرح جُوتی جُوتی سے ملتی ہے اسی طرح میری قوم کے لوگ ایک دن ان پہلی قوموں کے نقش قدم پر چلیں گے (ترمذی)۔ پس رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کے متعلق نہیں بلکہ اس میں آئندہ زمانہ کے مسلمانوں کے انحطاط کی طرف اشارہ ہے۔" (تفسیر صغیر حاشیہ صفحہ ۴)

پس اس دعا میں در اصل اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جبکہ مسلمان مسلمان کہلانے کے باوجود (عیاذاً باللہ) یہود و نصاریٰ ایسی مغضوب اور ضال قوموں کے نقش قدم پر چل رہے ہوں گے۔ انہیں اس امر کے لئے دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ اے اللہ تو ہمیں ان لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے سے بچا۔ تا ہماری ابتداء بھی منعم علیہم کی سی ہو اور ہماری انتہاء بھی منعم علیہم کی سی ہو۔

پس ہمیں جو اس زمانہ کے مصلح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہیں بڑی احتیاط سے پھونک پھونک کر ہر قدم رکھنا چاہیئے اور خاص طور پر یہ امر مد نظر رکھنا چاہیئے کہ ہم سے کبھی بھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس کے یہود و نصاریٰ مرتکب ہوئے اور اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے غضب کو مول لے لیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

قرآن مجید میں بعض یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کی ایک یہ خاصیت بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنی کتب کے گہرے مطالعہ کی کوشش نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حکمتوں کو سمجھنے اور پھر ان پر عمل پیرا ہونے سے قاصر رہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے غضب کو مول لے بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۔ (البقرۃ آیت ۷۹)

اور ان میں سے بعض اَن پڑھ ہیں جو چند جھوٹی باتوں کے سوا اپنی کتاب کا کچھ بھی علم نہیں رکھتے اور وہ صرف تُک بندیاں کرتے رہتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" اَمَانِیَّ اُمْنِیَّةٌ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں (۱) جس چیز کی تمنا کی جائے۔ (۲) جھوٹ (۳) جو چیز پڑھی جائے (۴) مقصود۔ پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ یہود میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں صحف بنی اسرائیل کا صرف اتنا علم ہے کہ وہ انہیں پڑھ سکتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ اچھی طرح ان کے سمجھنے پر قادر نہیں۔ گو اُمّی کے معنی اس جگہ پر محدود

کر لئے گئے ہیں اور ایسے اَن پڑھ کے معنی نہیں لئے گئے جو کہ کتاب کو لفظاً بھی نہ پڑھ سکتے ہوں بلکہ اس لفظ سے ایسے اَن پڑھ مراد لئے گئے ہیں جو لغت کی باریکیوں سے واقف نہیں اور صرف موٹے موٹے معنی جانتے ہوں ۔ ان معنوں کی رُو سے یہود پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ اپنی کتب کے گہرے مطالعہ کی کوشش نہیں کرتے ۔ ذو معانی الفاظ جو ان میں استعمال کئے گئے ہیں ان میں سے ایسے معنوں کو تو لے لیتے ہیں جو خدا کی سنّت اور اس کے منشاء کے خلاف ہوتے ہیں اور ان کو چھوڑ دیتے ہیں جو خدا کی سنّت اور اس کے منشاء کے مطابق ہوتے ہیں ۔" (تفسیر کبیر جلد اوّل جزو اوّل ص ۵۲۷)

پس یہود کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو مول لے لینے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ اپنی مذہبی کتب اور صحفِ سماوی کے گہرے مطالعہ کی کوشش نہیں کرتے تھے اس سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہئے اور قرآن مجید کو جو :-

"تمام فیضوں کا سرچشمہ ہے" (ملفوظات جلد پنجم ص ۲۸۲)

جو :- "جمیع کتب کی خوبیوں کا جامع ہے" (ایضاً ص ۱۱۳)

اور جو "انسان کی کوئی ضرورت ایسی نہیں جس کا پہلے سے ہی اس نے قانون نہیں بنا دیا ہو" (ایضاً ص ۱۱۳)

اور :- "جو انسان ذرا سی سمجھ اور فکر کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھے گا اس کو معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کے تمام فلسفے اور علوم اس کے سامنے ہیچ ہیں ۔" (ملفوظات جلد دوم ص ۳۴)

ہاں وہ قرآن مجید جو :-

"کل دنیا کی صداقتوں کا مجموعہ ہے اور دین کی کتابوں کا فخر ہے ۔" (ملفوظات جلد دوم ص ۱۲۶)

ایسی خوبیوں والے قرآن کا ہم نہ صرف خود گہری نظر سے مطالعہ کریں اور اس کے علوم سے واقف ہو کر اس کے اوامر کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں بلکہ اپنی اولاد اور نسل میں بھی قرآن مجید کے پڑھنے اور اس کا گہرا مطالعہ کرنے کا شوق پیدا کریں تا وہ بھی ان صداقتوں سے آگاہ ہوں جو قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں اور ان فیوض سے متمتع ہوں جن کا یہ حامل ہے اور پھر قرآنی تعلیمات میں رنگین ہو کر اور خدا تعالیٰ کے حکموں کو عملی جامہ پہنا کر دنیا کے سامنے اسلامی تعلیمات کی چلتی پھرتی اور زندہ تصویر بن جائیں اور اس طرح اپنے عملی نمونہ سے اسلام کے غلبہ کے دن کو قریب تر لانے والے ثابت ہوں ۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں کو حاصل کریں اور ان پر

گامزن ہو کر اللہ تعالیٰ کی آغوش محبت میں پناہ لے لیں۔ آمین

سیدنا حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محولہ بالا آیت کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں کے لئے یہ مضمون بہت ہی عبرت کا موجب ہے آج مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے۔ اکثر مسلمان تو قرآن مجید کے معنی جانتے ہی نہیں اور جو جانتے ہیں وہ صرف محدود علم رکھتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ کے اندر جو متعدد مضامین پائے جاتے ہیں ان کی طرف نہ توجہ کرتے ہیں نہ توجہ کرنا چاہتے ہیں۔" (تفسیر کبیر جلد اوّل جزو صفحہ ۵۲۷-۵۲۸)

نیز حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"کروڑوں مسلمان ہیں جو قرآن کریم کی لفظی تلاوت بھی نہیں کر سکتے اور کروڑوں ہیں جو اس کے لفظ تو پڑھ سکتے ہیں مگر ان کے معنی نہیں جانتے اور ان دونوں گروہوں کے دلوں میں قرآن کریم کے پڑھنے اور اس کے معانی کے جاننے کی خواہش بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بغیر معنی جاننے کے جب وہ قرآن مجید پڑھ لیتے ہیں یا یہ بھی نہیں کر سکتے اور کبھی کبھار کسی سے قرآن کریم کی کچھ آیات سن لیتے ہیں تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ان کو نجات حاصل ہو گئی کیونکہ انہوں نے قرآن کریم سن لیا ہے یا پڑھ لیا ہے حالانکہ نہ انہوں نے قرآن پڑھا نہ سنا بلکہ آوازوں کے بعض آثار چڑھاؤ سنے یا سیاہی کی بعض لکیروں کو دیکھا۔ قرآن کریم تو اُس مضمون کا نام ہے جس پر اس کے حروف والفاظ دلالت کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے اس مضمون کو نہ پڑھا اور یہ جانتے ہوئے نہ پڑھا کہ قرآن کریم کے ان الفاظ کا یہی مفہوم ہے اس نے قرآن کریم ہرگز نہیں پڑھا اور جس نے اس کتاب کو ہی جانا جو خدا تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے بھجوائی تھی وہ کیونکر دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ سچے مذہب پر ایمان لایا ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ جس کو قرآن کریم کے معنی نہ آئیں اس کو قرآن کریم پڑھنا بھی نہیں چاہیئے۔ ایسی تلاوت کم سے کم اسے اس کے مدّعا کی یاد تو دلاتی رہتی ہے۔ لیکن اس کے دل میں معنوں کے جاننے کی خواہش تو ہونی چاہیئے اور ان کے سیکھنے کے لئے اُسے کچھ کوشش تو کرنی چاہیئے۔ اگر یہ خواہش موجود ہو، اگر اس قسم کی کوشش جاری ہو تو بے شک خدا اور اُس کے رسول کے سامنے ایسا آدمی بَری قرار دیا جائے گا لیکن جب کوشش مفقود ہو اور خواہش کا وجود ہی نہ ہو تو ایسا آدمی صرف اپنی تمناؤں سے خدا تعالیٰ کو

کس طرح خوش کر سکتا ہے؟" (تفسیر کبیر جلد اوّل جزو اوّل صفحہ ۵۳)

پس اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے اور اُس کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کے علوم حاصل کرنے کے لئے دلوں میں شدید خواہش اور تڑپ موجود ہو، ایسی تڑپ جو انہیں قرآن کریم سیکھنے اور اس کے علوم سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ بے چین اور بے قرار رکھے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"یاد رکھو قرآن شریف حقیقی برکات کا سرچشمہ اور نجات کا سچا ذریعہ ہے......

.... وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں کہ وہ خدا تعالےٰ کا کلام ہے اور نجات کا شفا بخش نسخہ ہے اگر وہ اس پر عمل نہ کریں تو کس قدر تعجب اور افسوس کی بات ہے ان میں سے بہت سے تو ایسے ہیں جنہوں نے ساری عمر میں کبھی اسے پڑھا ہی نہیں۔ پس ایسے آدمی جو خدا تعالیٰ کے کلام سے ایسے غافل اور لاپرواہ ہیں ان کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کو معلوم ہے کہ فلاں چشمہ نہایت ہی مصفّیٰ اور شیریں اور خنک ہے اور اُس کا پانی بہت سی امراض کے واسطے اکسیر اور شفاء ہے۔ یہ علم اس کو یقینی ہے لیکن باوجود اِس علم کے اور باوجود پیاسا ہونے اور بہت سی امراض میں مبتلا ہونے کے وہ اس کے پاس نہیں جاتا تو یہ اس کی کیسی بدقسمتی اور جہالت ہے۔ اُسے تو چاہیئے تھا کہ وہ اس چشمہ پر مُنہ رکھ دیتا اور سیراب ہو کر اس کے لطف اور شفا بخش پانی سے حظ اٹھاتا مگر وہ باوجود علم کے اس سے ویسا ہی دُور ہے جیسا کہ ایک بے خبر۔ اور اس وقت تک اس سے دُور رہتا ہے جو موت آکر خاتمہ کر دیتی ہے۔ اس شخص کی حالت بہت ہی عبرت بخش اور نصیحت خیز ہے مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی ہی ہو رہی ہے وہ جانتے ہیں کہ ساری ترقیوں اور کامیابیوں کی کلید یہی قرآن شریف ہے جس پر ہم کو عمل کرنا چاہیئے مگر نہیں اس کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی۔"

(ملفوظات جلد ہفتم صفحہ ۱۸۱-۱۸۲)

اللہ تعالےٰ ہماری غفلت اور سستی دُور فرمائے اور ہمارے اور ہماری نسلوں کے دلوں میں قرآن مجید کے گہرے مطالعہ اور اس کے علوم حاصل کرنے کی تڑپ پیدا کر دے اور یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم سب محض اس کے فضل سے ہمیشہ قرآن مجید کے چشمہ مصفّیٰ شیریں اور خنک سے سیراب ہوتے اور اس سے حظ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالےٰ کی رضا

کی راہوں پر چلنے والے ہوں ۔ تا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق :۔

"ہماری ابتداء بھی منعم علیہ کی ہو اور ہماری انتہاء بھی منعم علیہ کی ہو" (المصلح الموعودؓ)

آمین یا ربّ العالمین ؞

بیعت اور تبتّل کا مقام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"ہمارے ہاتھ پر بیعت تو یہی کی جاتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرونگا اور ایک شخص کو جسے خدا نے اپنا مامور کر کے دنیا میں بھیجا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے، جس کا نام حَکَم اور عدل رکھا گیا ہے اپنا امام سمجھونگا۔ اس کے فیصلے پر ٹھنڈے دل اور انشراح قلب کے ساتھ رضامند ہو جاؤں گا لیکن اگر کوئی شخص یہ عہد اور اقرار کرنے کے بعد بھی ہمارے کسی فیصلہ پر خوشی کے ساتھ رضامند نہیں ہوتا بلکہ اپنے سینہ میں کوئی روک اور اٹک پاتا ہے تو یقیناً کہنا پڑیگا کہ اس نے پورا تبتّل حاصل نہیں کیا اور وہ اس اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا جو تبتّل کا مقام کہلاتا ہے بلکہ اس کی راہ میں ہوائے نفس اور دنیوی تعلّقات کی روکیں اور زنجیریں باقی ہیں اور ان حجابوں سے وہ باہر نہیں نکلا جن کو پھاڑ کر انسان اس درجہ کو حاصل کرتا ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صـ۳۵۹)

خصوصیات و برکاتِ خلافت

(۵)

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم-اے)

آیتِ استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں اسی طرح خلافت عطا کرے گا جس طرح اس نے اُن لوگوں کو خلافت عطا کی جو اُن سے پہلے گزر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا :-

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

آؤ اب ہم دیکھیں کہ گزشتہ اُمتوں کو کس کس قسم کی خلافت عطا ہوئی تھی؟ اس سے پہلے ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ عربی زبان میں لفظ خلیفہ کے معنی کیا ہیں۔ اس سلسلہ میں سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

(۱) " خلیفة : مَنْ يَّخْلُفُ غَيْرَهٗ وَيَقُوْمُ مَقَامَهٗ جو کسی کا قائم مقام اور جانشین ہو۔

(۲) السلطان الاعظم : حاکمِ اعلیٰ۔ شہنشاہ۔

(۳) وفی الشرع الامامُ الّذی لیسَ فوقهٗ اِمَامٌ اور شرعی لحاظ سے خلیفہ کے یہ معنے ہوں گے کہ وہ پیش رَو اور حاکم جس کے اُوپر اور کوئی حاکم نہ ہو۔

اور الخلافة کے معنی ہیں الاِمَامَةُ حکومت۔ النیابةُ عنِ الغیرِ اِمَّا لِغَيْبَةِ المتُوبِ عنهُ اَو لِمَوْتِهٖ اَو لِعِجزِهٖ اَو لِتَشْرِيفِ الْمُسْتَخْلَفِ یعنی دوسرے کی نیابت کرنا خلافت کہلاتا ہے خواہ وہ نیابت، جس کی نیابت کی گئی ہو اس کی غیر حاضری کی وجہ سے ہو یا موت یا کام سے عجز کی وجہ سے ہو۔ اور بعض اوقات یہ نیابت صرف عزت افزائی کے لئے ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو زمین پر خلیفہ بناتا ہے تو یہ صرف ان کے اعزاز کی خاطر ہوتا ہے نہ کسی اور وجہ سے۔ اور اور شرعی معنی خلافت کے امامت کے ہیں۔ (اقرب)"

(تفسیر کبیر جلد اوّل جزو اوّل صفحہ ۲۷۳)

قرآن کریم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ امتوں میں تین قسم کی خلافت جاری ہوئی:۔

(۱) ان میں ایسے انبیاء پیدا ہوئے جو اُن کی شریعت کی خدمت کرنے والے تھے۔ اسے خلافتِ ماموریت یا مامور خلافت کہتے ہیں۔

(۲) غیر مامور خلفاء یعنی ایسے وجود جو نبی تو نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت نے انہیں اُن امتوں کی خدمت کے لئے چُن لیا تھا۔

مندرجہ بالا دونوں قسموں کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس طرح فرماتا ہے:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۔

(المائدہ : ۴۵)

یقیناً ہم نے تورات کو نازل کیا ایسی حالت میں کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ یہود کے لئے اس کے احکام کے مطابق ہی فیصلے کیا کرتے تھے وہ نبی جو خدا تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔ اور اسی طرح اُنکے اولیاء اور علماءِ ربانی بھی ایسا ہی کرتے تھے بسبب اس کے کہ ان نبیوں اور اولیاء اور علماءِ ربانی کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت کا کام سونپا گیا تھا اور وہ اس پر نگران تھے۔"

اس آیتِ کریمہ سے ظاہر ہے کہ یہود میں مامور خلافت بھی رائج ہوئی اور غیر مامور خلافت بھی۔

ہمیشہ ہر نبوت کے بعد خلافت جاری ہوتی رہی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَا كَانَتْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ (کنز العمال جلد ۶ ص۱۱۹)

یعنی دُنیا میں جب کبھی نبوت قائم ہوئی تو اس کے بعد خلافت جاری ہوئی ہے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد مامور خلافت جاری ہوئی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:۔

كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَآئِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ ۔

یعنی بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کبھی ایک نبی فوت ہو جاتا تو ایک نبی ہی اس کا جانشین بنتا۔ اس قوم میں خلافتِ ماموریت اسی لئے جاری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ قوم من حیث القوم اپنی سرکشیوں اور بغاوت کی وجہ سے اس قابل نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس ساری قوم کو من حیث القوم حاملِ خلافت

قرار دے اور اُن کو اپنی وحیِ خفی کا مورد بنا کر اُنہیں خلیفۃ اللہ کا انتخاب کرنے کا اعزاز بخشے اِس لئے انکی شریعت کی خدمت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ براہِ راست اُن میں اپنے رسول بھیجتا رہا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ط

نیز فرمایا:۔ وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ط

یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے۔

دوسری قسم کی خلافت یعنی غیر مامور خلافت کی مثال گزشتہ اُمتوں میں وہ خلافت ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قائم ہوئی۔

اسلام میں غیر مامور خلافت کی آگے پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کو اصطلاحی طور پر خلافتِ راشدہ کہتے ہیں۔ اِس میں نبی کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ ساری قوم کو حاملِ خلافت قرار دیتا ہے اور خلیفۃ اللہ کا انتخاب انہیں اپنی وحیِ خفی کا مورد بنا کر اُن کے ذریعہ سے کرواتا ہے۔ اسلام میں ساری دنیا کے لئے ایک وقت میں ایسا ایک ہی خلیفہ ہو سکتا ہے جو کہ تمام آسمانی فوجوں کا کمانڈر انچیف ہوتا ہے۔ دُنیا کے تمام مومن اس کے ہاتھ پر جمع اور وحدت کی لڑی میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ خلافتِ راشدہ مومنوں کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بلند ترین معیار کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر شامتِ اعمال سے اُمتِ مُسلمہ کی وحدت ٹوٹ جائے اور ایمان اور اعمالِ صالحہ کے اعلیٰ ترین معیار سے نیچے گر جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے اِس انعام یعنی خلافتِ راشدہ کو واپس لے سکتا ہے۔

اِس صورت میں آسمانی فوجوں کی کفر کے ساتھ جنگ تو بہرحال جاری رہتی ہے لیکن اب وہ ایسے کمانڈرز کے ماتحت ہوتی ہے جن کا آپس میں کوئی رابطہ اور نظام قائم نہ ہو اور وہ بمنزلہ گوریلا کمانڈرز کے ہوں، یہ خلافتِ اولیاء الرحمٰن ہوتی ہے اور اسلام میں اصطلاحی طور پر اِسے خلافتِ مجددیت بھی کہتے ہیں حدیثِ نبوی سے ثابت ہے کہ ہر صدی کے سر پر دین میں تازگی پیدا کرنے والے اور غلطیوں کی اصلاح کرنے والے ایسے وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور کھڑے کئے جائیں گے۔ ایسے لوگ صدی کے درمیان میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اِس قسم کے اَئمہ یعنی مجددین کے لئے دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اُنہیں عقل اور نورِ فراست سے خود تلاش کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَةَ الْجَاهِلِیَّةِ

یعنی جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

یہ اَور بات ہے کہ ایسے مجدّدین میں سے بعض پر اللہ تعالیٰ اپنے الہام اور وحی سے یہ ظاہر کر دے کہ وہ اپنے زمانے کے امام ہیں اور آگے وہ عام لوگوں پر بھی اِس بات کا اظہار کر دیں مگر اُن کے لئے دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہوتا اور نہ وہ ساری دنیا کے لئے ایک ہی امام ہوتے ہیں۔ اگر اُن کے لئے دعویٰ کرنا ضروری ہوتا تو اُمّتِ محمدیہ میں بارہ صدیوں کے بارہ مجدّدین کی تعیین میں اختلاف نہ ہوتا۔

مندرجہ بالا آیتِ قرآنیہ میں اِس دوسری قسم کے خلفاء کو جو اُمّتِ موسویہ میں ہوئے

اَلرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ

کا نام دیا گیا ہے خواہ وہ اسلامی اصطلاح کے مطابق خلفاء راشدین کی طرح ہوں یا مجدّدین کی طرح۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر مجدّد حاملِ خلافت ہوتا ہے اور ہر خلیفہ راشد اپنے زمانے کا مجدّد ہوتا ہے۔ بلکہ مجدّدین کا سردار اور کمانڈر انچیف ہوتا ہے۔ ہاں خلافتِ راشدہ کی موجودگی میں اصطلاحی مجدّدین نہیں ہوتے کیونکہ تجدید کا کام بدرجہ اولیٰ خود خلفاء راشدین کا کام ہے۔

تیسری قسم کی خلافت جو گزشتہ اُمتوں میں رائج ہوئی وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو زمین میں بادشاہت عطاء کی اور اس لحاظ سے اُن کو پہلی قوموں کا جانشین بنایا کہ پہلی قوموں سے شوکت اور بادشاہت چھین کر اُن کو دے دی۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت ہُود علیہ السلام اپنی قوم یعنی قوم عاد سے اِس طرح مخاطب ہوتے ہیں:-

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً۔ (الاعراف ع ۹)

یعنی یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد حکومت اور غلبہ عطاء کیا اور تمہارے جسموں کو بہت مضبوط بنایا۔ اِسے خلافتِ ملوکیت کہتے ہیں۔ اِس قسم کی خلافت ملوکیت اسلام میں مسلمانوں کو بھی دی گئی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی عطاء کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:-

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (پ ۲۰ ع ۱)

یعنی زمین کی حالتِ زار کو دیکھ کر اور زبانِ حال سے کی جانے والی آہ و پُکار کا مشاہدہ کر کے رحمتِ خداوندی دنیا پر نورِ نبوّت کو ظاہر کرتی ہے اور تمام برائیوں اور مصائب کو دُور کر دیتی ہے اور رحمتِ خداوندی نے اب بھی ایسا ہی کیا ہے اور اِسی کام کو جاری رکھنے کے لئے اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں پہلی قوموں کی بادشاہت اور حکومت کا بھی جانشین بنائے گا یعنی دنیا کی شوکت و بادشاہت بھی تمہارے

قدموں میں لا ڈالے گا۔

ظاہر ہے کہ دُنیوی نعمتوں میں خلافتِ ملوکیت یعنی بادشاہت اور دُنیوی غلبہ اور شان و شوکت سب سے بڑا انعام ہوتا ہے۔ ایک اور آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اِس انعام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْکَنّٰہُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ (پ۱۸-المومنون ع۱)

یعنی اے مسلمانو! ہم نے تم پر آسمانی پانی کی ایک وافر مقدار نازل کی ہے اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا ہے یعنی ثبات بخشا ہے۔ اس کے ذریعہ سے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں تمہارے لئے پیدا اور مہیا کر دی ہیں اور اُن میں سے ایک نعمت دُنیوی شوکت اور بادشاہت بھی ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر تم نے ناشکری کی تو ہم آسمان سے نازل ہونے والے اس فضل کے پانی اور اُس کے نتیجہ میں ملنے والی اس نعمت یعنی دُنیوی شان و شوکت کو واپس لینے پر بھی پُورے طور پر قادر ہیں۔ مندرجہ بالا آیت کریمہ کے آخری حصّے کو جس میں اس نعمت کے واپس لے جانے کی طرف اشارہ ہے خط کشیدہ کر دیا گیا ہے۔ بحروف ابجد کے لحاظ سے اگر آیت کے اِس حصّے یعنی

وَاِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ

کے عدد نکالے جائیں تو وہ اٹھارہ سو ستاون (۱۸۵۷) بنتے ہیں اور یہی وہ سَن ہے جس میں مسلمانوں کی اور خصوصاً اُن کے سلاطین کی شامتِ اعمال سے اسلامی شان و شوکت کی آخری نشانی یعنی سلطنتِ مغلیہ کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گُل کر دیا گیا یعنی سلطنتِ مغلیہ کے آخری تاجدار شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو بادشاہت سے معزول کر کے انگریزوں نے رنگون میں جلاوطن کر دیا گویا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اِس آیتِ کریمہ میں اسلامی شوکت کے اختتام کی تاریخ بھی چُھپا رکھی تھی۔

اسلام میں یہ خلافتِ ملوکیت سب سے پہلے آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافتِ راشدہ متصلہ بعد از نبوت جو غیر مامور خلافت بھی جاری ہوئی اور تیس سال تک جاری رہی۔ اُس زمانے میں خلافتِ روحانی اور خلافتِ ملوکیت ایک ہی وجود میں جمع ہوتی تھی۔ تیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے خلافتِ راشدہ کے انعام کو جو رُوحانی طور پر نبوّت کے بعد کسی جماعت یا اُمّت کے لئے من حیث الجماعت سب سے بڑا انعام ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے واپس لے لیا۔ اب روحانی خلافت مجدّدینِ اُمّت یعنی اولیاء الرحمٰن کی صورت میں اور خلافتِ ملوکیت مسلمان بادشاہوں اور حکومتوں کی صورتوں میں جاری رہی۔ خلافتِ اولیاء الرحمٰن یعنی اصطلاحی مجددین کی خلافت

کا خاتمہ ۱۸۳۱ء میں ہوا جب کہ آخری غیر مامور مجدد یعنی تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد صاحب بریلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کو (جو مسیح محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اسی طرح بطور ارہاص کے تھے جس طرح یحییٰ علیہ السلام مسیح ناصری علیہ السلام کے لئے بطور ارہاص تھے) سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے بالاکوٹ ضلع ہزارہ کے مقام پر جام شہادت پلایا گیا۔ اس طرح اسلام کی اصطلاحی خلافت مجددیت بھی ختم ہوگئی، لیکن خلافتِ ملوکیت کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ ابھی گل نہیں ہوا تھا۔ لیکن یہ خلافتِ ملوکیت بھی قرآنی اشارہ کے مطابق ۱۸۵۷ء میں ختم ہوگئی۔ گویا اس کے بعد اسلام پر مکمل اور تاریک رات وارد ہوگئی لیکن یہ تاریک رات بالآخر لیلۃ القدر ثابت ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق حضورؐ کے بدرِ کامل یعنی مسیحِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا جو خلافتِ ماموریت کے حامل تھے۔ ضروری تھا کہ اُمتِ محمدیہ میں کوئی نہ کوئی خلیفہ مامور اور نبی بھی ہوتا۔ تا اس لحاظ سے بھی پہلی اُمتوں سے مشابہت پوری ہوجاتی۔ اور

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کے الفاظ اس صورت میں بھی سچے ثابت ہوجاتے۔

اس خلافتِ ماموریت کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر خلافتِ راشدہ متصلہ بعد از نبوت یا خلافت علیٰ منہاج نبوت کو اپنے ہاتھ سے قائم کردہ سلسلہ یعنی جماعت احمدیہ میں ازسرِنو جاری کردیا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق انشاء اللہ تعالیٰ اس جماعت میں قیامت تک جاری رہے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں (اس حدیث کو امام احمدؒ اور بیہقیؒ نے روایت کیا ہے):-

...... ثُمَّ تَكُوْنُ الْخِلَافَةُ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ۔

(دیکھیں مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر وکتاب الفتن)

حدیث لمبی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم میں خلافت علیٰ منہاج نبوت کو قائم کرے گا۔ پھر ایک وقت کے بعد اُسے اُٹھالے گا۔ اس کے بعد ظلم کرنے والے بادشاہوں کا دَور ہوگا (مُلْكًا عَاضًّا) اور اس کے بعد غیر اقوام کا تم پر تسلط ہوجائے گا (مُلْكًا جَبْرِيًّا) اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ پھر خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کو جاری کرے گا جو قیامت تک جاری رہے گی۔

الغرض آیتِ استخلاف میں جیسے کہ سطور مندرجہ بالا میں وضاحت کی گئی ہے اُن تمام قسموں کی خلافتوں کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے جو پہلی اُمتوں میں جاری کی گئیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ

آیتِ استخلاف کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اس آیت میں مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اُن کو پہلی اُمتوں کی طرح کی خلافت حاصل ہوگی۔ اور پہلی اُمتوں کی خلافت جیسا کہ قرآن کریم سے اُوپر ثابت کیا جا چکا ہے تین قسم کی تھی۔ (۱) ایسے انبیاء ان میں پیدا ہوئے جو اُن کی شریعت کی خدمت کرنے والے تھے۔ (۲) ایسے وجود اُن میں کھڑے کئے گئے جو نبی تو نہ تھے لیکن خدا تعالیٰ کی خاص حکمت نے اُن کو ان اُمتوں کی خدمت کے لئے چُن لیا تھا اور وہ اُمتوں کو صحیح راستہ پر رکھنے کے کام پر خدا تعالےٰ کی حکمت کے ماتحت لگائے گئے تھے۔ (۳) ان اُمتوں کو خدا تعالےٰ نے پہلی قوموں کا قائم مقام بنایا اور پہلوں سے شوکت چھین کر اُن کو دی۔ یہ تین قسم کی خلافتیں ہیں جن کا مسلمانوں سے وعدہ تھا۔ اور تینوں کے حصول سے ہی اسلام کی شوکت پُوری طرح ظاہر ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مسلمانوں کو اِس وعدہ کے مطابق پہلی قوموں کی جگہ متمکن کر دیا اور اُن کے دشمنوں کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ (یعنی مندرجہ بالا تیسری قسم کی خلافت ملوکیت اُنہیں عطا کر دی۔ ناقل) اگر مسلمان ایمان اور عمل صالح پر قائم رہتے تو ہمیشہ کے لئے ان کی شوکت قائم رہتی۔ لیکن افسوس کہ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد وہ دین کی طرف سے ہٹ کر دنیا میں مشغول ہو گئے اور انہوں نے غلطی سے سمجھا کہ دوسری اقوام کی طرح وہ دنیا میں مشغول ہو کر بھی ترقی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم صاف فرما چکا تھا کہ مسلمانوں کی ترقی دوسری اقوام کی طرح نہ ہوگی بلکہ وہ جب ترقی کریں گے ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ سے ترقی کریں گے۔ صدیوں کے تجربہ نے اس صداقت کو ثابت کر دیا ہے۔ کاش وہ اب بھی اپنی ترقی کے گُر کو سمجھ کر ایمان اور عمل صالح کی طرف توجہ کریں۔

دوسری قسم کی خلافت اُنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ملی۔ جبکہ اوّل حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ اور پھر عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ یکے بعد دیگرے نعمت خلافت سے متمتع ہوئے اور اُن کی اِس نعمت سے تمام مسلمانوں نے حصہ پایا۔ اگر بعد کے مسلمان اِس نعمت کی قدر کرتے تو وہ صحابہؓ کی ترقی کی راہ پر گامزن رہتے اور آج اسلام کہیں کا کہیں پہنچا ہُوا ہوتا۔ لیکن افسوس انہوں نے اِس نعمت کی بھی قدر

نہ کی اور بادشاہت کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس شان کو کھو بیٹھے جو خلافت کے ذریعہ اُن کو حاصل ہوئی تھی۔

تیسری قسم کی خلافت جو تابع انبیاء کے ذریعہ حاصل ہوتی تھی اس کی طرف سے مسلمان ایسے غافل ہوئے کہ آخری زمانہ میں اس قسم کی نبوت کا سرے ہی سے انکار کر دیا اور باب نبوت کو خواہ غیر تشریعی ہی کیوں نہ ہو بند کر کے اُس عظیم الشان فضل سے منکر ہو گئے جو اس زمانہ میں صرف اسلام ہی سے مخصوص تھا اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نبی ہونے کا ایک زبردست ثبوت تھا۔ کیونکہ تابع کی نبوت متبوع کی نبوت اور شان کو بڑھاتی ہے اور روشن کرتی ہے نہ کہ کم کرتی ہے۔

جماعت احمدیہ کا ایمان ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے ذریعہ سے اس پُر فتن زمانہ کی اصلاح اور اسلام کو دوبارہ اس مقام پر کھڑا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پھر اس تابع نبوت کا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب حال اُمتی نبوت ہے دروازہ کھولا ہے اور آپؑ کے ذریعہ سے اُس نے پھر آپؑ کے ماننے والوں میں خلافت کو بھی زندہ کر دیا ہے جس سے پھر ایک دفعہ ساری دنیا میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو ایک ہاتھ پر جمع ہو کر خدمت اسلام کر رہا ہے۔ اور اسلام اور مسلمانوں کو اُن کا حق دلانے کے لئے رات دن جدّوجہد کر رہا ہے اور وہ دن دُور نہیں جب پھر دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور کفر بھاگ جائے گا۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔"

(تفسیر کبیر جلد اوّل۔ جزء اوّل صفحہ ۳۰)

یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں تک اصطلاحی مجدّدین والی صدیوں کا تعلق ہے وہ اسلام میں بارہ[12] ہی ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والی صدی کے بعد کی بارہ صدیاں۔ اور اس کے بعد چودھویں صدی کے شروع میں جو مجدّد آیا وہ خاتم الخلفاء مسیح موعود اور مہدیٔ معہود تھا (علیہ الصلوۃ والسلام)۔ اور وہ شان نبوت کا حامل تھا بلکہ جَرِیُّ اللّٰهِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ تھا۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں یہی اشارہ موجود ہے کہ:-

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ۔ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ۔ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ۔ (پ ۳۰۔ سورۃ البروج)

یعنی اسلام کے آسمانِ روحانی میں بھی روحانی کواکب یعنی مجدّدین کے ٹھہرنے کے زمانے (بُروج) ظاہری آسمان کی طرح بارہ ہی ہیں اور اس کے بعد مسیح موعود والی صدی یعنی چودھویں صدی یومِ موعود ہوگی۔ مسیح موعودؑ وہ آسمانی شاہد ہوگا جو اسلام کے تنزّل کی اس گھڑی میں اپنے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت پر زندہ آسمانی گواہ بن کر آئے گا۔ خاتم الخلفاء یعنی مسیح موعود پر اسلامی خلافت کے ایک دَور کا (خلافتِ مجدّدین کا) خاتمہ ہوگا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت، خلافۃُ المسیح الموعود کے رنگ میں، بطور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیامت تک جاری و ساری رہے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ خلافتِ احمدیہ کے سائے کو اپنی انتہائی مقدر وسعتوں تک جلد بڑھائے۔ یہاں تک کہ اس کا ٹھنڈا سایہ تمام رُوئے زمین پر محیط ہو جائے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اٹل پیشگوئی ہے جو اپنے وقت پر ضرور بالضرور پوری ہوگی۔ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ٭

ہر مشکل کا آخری علاج

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"میرا مذہب یہ ہے کہ کیسی ہی مشکلات مالی یا جانی انسان پر پڑیں ان سب کا آخری علاج دعا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر شے کا مالک ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کر سکتا ہے اور ہر شے پر اس کا قبضہ ہے۔ انسان کسی حاکم یا افسر کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرتا ہے اور اس کو راضی کرتا ہے تو وہ اُسے بہت سا فائدہ پہنچا دیتا ہے کیا خدا تعالیٰ جو حقیقی حاکم اور مالک ہے اس کو نفع نہیں دے سکتا؟"

(ملفوظات جلد نہم صہ ۴۹)

انصار اللہ کا عہد

ہمارے سالانہ اجتماع اکتوبر ۱۹۵۶ء کے موقع پر سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے انصار اللہ کے لئے مندرجہ ذیل عہد منظور فرمایا تھا۔ مجالس اپنے اجتماعات میں اسے بالالتزام دُہرایا کریں۔

(قائد عمومی)

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ آخر دم تک جدّ و جہد کرتا رہونگا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہونگا نیز میں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہونگا۔"

اہم مرکزی اعلانات

فیصلہ جات شوریٰ انصار اللہ ۱۹۶۷ء

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے شوریٰ انصار اللہ ۱۹۶۷ء کی سفارش پر جو فیصلہ جات فرمائے ہیں مجالس کی آگاہی کے لئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

قیادت عمومی

۱۔ حسب سابق علاقائی مجالس میں اعلیٰ کارکردگی کے صلہ میں خوشنودی کے سرٹیفکیٹ دیئے جایا کریں اور ضلعی مجالس کا آپس میں مقابلہ کر کے اعلیٰ کارکردگی کے صلہ میں خوشنودی کے سرٹیفکیٹ بھی دیئے جایا کریں۔

۲۔ دستور اساسی انصار اللہ کے قاعدہ نمبر ۹۵ میں "صدر مجلس مرکزی عہدیداروں کو نامزد کریگا" کے الفاظ حذف کر دیئے جائیں کیونکہ وہ ایک مستقل قاعدہ کی شکل میں قاعدہ نمبر ۱۰۱ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

قیادت تربیت

۳۔ مجالس کی تربیت کے کام کا جائزہ لیتے وقت قیادتِ تربیت اس امر کو بالخصوص ملحوظ رکھے گی کہ جس مجلس کا کام قیادت کے نزدیک سب سے اچھا ہو، اس کے اسی فیصد ارکان نماز با ترجمہ بھی جانتے ہوں علَمِ انعامی کے لئے اسی صورت میں قیادتِ تربیت اس کی سفارش کرے گی۔

قیادت تعلیم

۴۔ امتحان انصار اللہ میں کامیاب انصار کو اسناد دی جائیں تاکہ دوسرے احباب کو بھی ترغیب ہو اور امتحان دینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے۔

قیادت مال

۵ ۔ بجٹ آمد و خرچ برائے سال ۱۹۶۸ء

چندہ مجلس	۴۰,۵۰۰
چندہ تعمیر	۴,۰۰۰
چندہ سالانہ اجتماع	۴,۵۰۰
چندہ اشاعت لٹریچر	۴,۰۰۰
میزان	۵۳,۰۰۰

قیادت اصلاح و ارشاد

۶ ۔ آئندہ سال ہر سہ ماہی چار صفحہ کا ایک ٹریکٹ عمدہ طباعت کے ساتھ پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کیا جائے ۔ ان ٹریکٹوں میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کے اقتباسات مناسب عنوانات کے ساتھ شائع کئے جایا کریں اور ایک مرکزی کمیٹی جو قائد تربیت، قائد اصلاح و ارشاد اور قائد اشاعت پر مشتمل ہو۔ ضرورتِ وقت کے مطابق اقتباسات اور عنوانات کا فیصلہ کیا کرے ۔

قائد عمومی
مجلس انصار اللہ مرکزیہ

مخلوق کی بھلائی کا دروازہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''اللہ جل شانہ نے جو دروازہ اپنی مخلوق کی بھلائی کے لئے کھولا ہے۔ وہ ایک ہی ہے یعنی دعا۔ جب کوئی شخص بکاوزاری سے اس دروازہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ مولائے کریم اس کو پاکیزگی و طہارت کی چادر پہنا دیتا ہے اور اپنی عظمت کا غلبہ اس پر اس قدر کر دیتا ہے کہ بیجا کاموں اور ناکارہ حرکتوں سے وہ کوسوں بھاگ جاتا ہے۔ کیا سبب ہے کہ انسان باوجود خدا کو ماننے کے بھی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا؟ درحقیقت اس میں ایک دہریت کی رگ ہے اور اس کو پورا پورا یقین اور ایمان اللہ پر نہیں ہوتا ورنہ اگر وہ جانتا کہ کوئی خدا ہے جو حساب کتاب لینے والا ہے اور ایک آن میں اس کو تباہ کرسکتا ہے تو وہ کیسے بدی کر سکتا ہے اسلئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی چور چوری نہیں کرتا درآنحالیکہ وہ مومن ہے اور کوئی زانی زنا نہیں کرتا درآنحالیکہ وہ مومن ہے۔ بدکرداریوں سے نجات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ یہ بصیرت اور معرفت پیدا ہو کہ خدا کا غضب ایک ہلاک کرنے والی بجلی کی طرح گرتا اور بھسم کرنے والی آگ کی طرح تباہ کر دیتا ہے۔ تب عظمت الٰہی دل پر ایسی مستولی ہو جاتی ہے کہ سب افعال بد اندر ہی اندر گداز ہو جاتے ہیں۔

پس نجات معرفت میں ہی ہے۔ معرفت ہی سے محبت بڑھتی ہے۔ اس لئے سب سے اول معرفت کا ہونا ضروری ہے محبت کے زیادہ کرنے والی دو چیزیں ہیں۔ حسن اور احسان جس شخص کو اللہ جل شانہ کا حسن اور احسان معلوم نہیں وہ کیا محبت کریگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ و لا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (الاعراف ع ۵) یعنی کفار جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گزر جائے مفسرین اس کا مطلب ظاہری طور پر لیتے ہیں مگر میں یہی کہتا ہوں کہ نجات کے طلبگار کو خدا کی راہ میں نفس کے شتر بے مہار کو مجاہدات سے ایسا دبلا کر دینا چاہئیے کہ وہ سوئی کے ناکہ میں سے گذر جائے۔ جب تک نفس دنیوی لذائذ و شہوانی حظوظ سے موٹا ہؤا ہؤا ہے۔ تب تک یہ شریعت کے پاک راہ سے گذر کر بہشت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ دنیوی لذات پر موت وارد کرو خوف و خشیت الٰہی سے دبلے ہو جاؤ تب تم گزر سکوگے اور یہی گزرنا تمہیں جنت میں پہنچا کر نجات اخروی کا موجب ہوگا''۔

(الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱٤)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا۔